تعلیماتِ اسلام کا علمبردار دینی وعلمی ماہنامہ
الحق
سرپرست
شیخ الحدیث حضرة مولانا عبدالحق مدظلہ
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور، پاکستان

مطبوعات مؤتمر المصنّفین

…عوات حق
جلد اول

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات اور ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ دین و شریعت

…ی و معاشرت علم و عمل۔ عروج و زوال۔ نبوت و رسالت۔ شریعت و …ت۔ ہر پہلو پر حاوی کتاب صفحات ۶۷۵، بہترین ڈائی دار جلد، …ت -/۳۰ روپے۔

…ی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ

قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے دینی و ملی مسائل پر

…دیں، مباحث، تقاریر اور قراردادوں پر ارکان کا ردِ عمل، آئین کو اسلامی …ہوری بنانے کی جد و جہد کی مدلل اور مستند داستان، ایک سیاسی و …ستاویز، ایک اعمالنامہ جس سے وکلاء سیاستدان، علماء اور سیاسی …ں بے نیاز نہیں ہو سکتیں، صفحات ۴۰۰، قیمت پندرہ روپے۔

…دات و عبدیت

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تقاریر کا مجموعہ، بندگی اور اسکے آداب، عبادات

…یں اور اعمال صالحہ کی برکات، اللہ کی عظمت و محبوبیت اور دیگر …ات پر عمدہ کتاب۔ صفحات ۸۸، قیمت -/۳ روپے

…ئلہ خلافت و شہادت

مسئلہ خلافت و شہادت حسین، تعدیل صحابہؓ وغیرہ پر شیخ الحدیث

…عبدالحق کی مبسوط تقریر مولانا سمیع الحق کی تعلیقات و حواشی کے ساتھ …ت ۱۰۴ قیمت -/۳ روپے۔

…ام اور عصرِ حاضر

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق عصر حاضر کے تمدنی، معاشی، اخلاقی،

…ی، آئینی، تعلیمی اور معاشرتی مسائل میں اسلام کا موقف، عصر حاضر …ں دینی فتنوں اور فرق باطلہ کا تعاقب، بیسویں صدی کے کارزار حق و …یں اسلام کی بالادستی کی ایک ایمان افروز جھلک، مغربی تہذیب کا تجزیہ …نظ از مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، صفحات ۴۴۰، جلد سنہری ڈائی دار قیمت -/۳۰

قرآنِ حکیم اور تعمیرِ اخلاق

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق
تعمیرِ اخلاق، اصلاحِ معاشرہ، تطہیرِ نفس میں قرآنِ حکیم کا معتدلانہ انداز اور حکیمانہ طرزِ عمل، عبادات کا اخلاقی پہلو۔ قیمت -/۳ روپے۔

الحاوی علی مشکلات الطحاوی

شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپوری
شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمان

کاملپوری اور مظاہر العلوم کے دیگر ممتاز محدثین کے مشترکہ غور و فکر کا نتیجہ طحاوی شریف کی تقریباً ایک سو مشکلات کا حل۔ قیمت بارہ روپے۔

ہدایۃ القاری شرح صحیح البخاری (عربی)

از قلم حضرۃ مولانا محمد فرید صاحب مدرس و مفتی دار العلوم حقانیہ،

بخاری شریف کی قدیم مبسوط شروح اور امالی اکابر سے زیرِ بحث مسئلہ پر مباحث کا خلاصہ، مختصر اور جامع شرح جلد اول صحیح بخاری کی کتاب العلم پر مشتمل ہے۔

برکۃ المغازی (عربی)

از مولانا محمد حسن جان صاحب استاذ دار العلوم حقانیہ ــ بخاری شریف کی کتاب الجہاد و المغازی

اور حدیث وصیۃ زبیرؓ کے متعلق تحقیقی مباحث۔ قیمت چار روپے۔

اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی غیر مطبوعہ مبسوط تقریر۔

انسان کی حقیقی کامیابی کا معیار اللہ کی نظر میں کیا ہے۔ مرتبہ مولانا سمیع الحق قیمت ایک روپیہ۔

ارشاداتِ حکیم الاسلام

از علامہ قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دار العلوم دیوبند۔

دار العلوم حقانیہ میں معجزات انبیاء، دار العلوم دیوبند کی روحانی عظمت اور مقام پر حضرت قاری صاحب مدظلہ کی حکیمانہ اور عارفانہ تقریریں۔ قیمت ۱/۵۰ روپیہ۔

مؤتمر المصنّفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ ضلع پشاور۔ پاکستان

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لۂ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم ۔ ۴ | فون نمبر رہائش ۔ ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ

شمارہ نمبر : ۶ ــــ مدیر : سمیع الحق ــــ مارچ ۱۹۷۹ء

سرنامے

بدل اشتراک پاکستان میں سالانہ -/۲۰ روپے فی پرچہ ۲ روپے
بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ

(الحدیث)

چرخِ کہن اور فلکِ نیلگون نے کم ہی عبرت و موعظت کا ایسا کھلا اور واضح منظر دیکھا ہوگا جو ایران کے انقلاب اور شاہِ ایران کی جلاوطنی کی صورت میں سامنے آیا، قدرت کے قانونِ احتساب کی اس شدّت و سنگینی کے آمر اور مغرور شخص کی طرح شاہِ ایران کو سان وگمان بھی نہ تھا، وہ اپنی سلطنت کو غیر فانی اور امر سمجھ بیٹھا تھا، اور جب کچھ عرصہ قبل اس نے عہدِ جاہلیت کی بنیادوں پر اپنی عجمی شہنشاہیت کا اڑھائی ہزار سالہ محل تعمیر کرنا چاہا اور جشن کے نام پر تجدیدِ جاہلیت کا ایک طوفان کھڑا کر دیا تو ہم نے اپنے صادق و مصدوق نبی کریم علیہ السلام کے ارشاد ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ۔ کی روشنی میں اس کی شرمناک تباہی کا خدشہ ظاہر کیا اور آج دنیا نے دیکھا کہ جو اس صدی میں کسرویت کے نشاۃ ثانیہ کا علمبردار بن رہا تھا۔ فارس کا وہ کسریٰ ایک بار ہلاک ہوا اس لئے کہ کسرویت کیلئے فنا ہے۔ قیصریت کو اسلام نے ہمیشہ کیلئے پیوندِ خاک کر دیا ہے وہ جو گوردش کبیر کی طرح اربوں روپے سے اپنا دیو ہیکل قبرستان کھڑا کرنے کی فکر میں تھا اسے اپنی سرزمین میں سر چھپانے کی جگہ نہیں مل رہی اور وہ دنیا میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ اور جسے نظریں اٹھا کر دیکھنے کی جرأت گستاخانہ پر آنکھیں پھوڑی جاسکتی تھیں آج اس کے مجسّے بھی سڑکوں پر روندے جا رہے ہیں — العظمۃ للہ — انّ فی ذلک لعبرۃً لمن یخشیٰ — بیشک اس میں ڈرنے والوں کیلئے عبرت کا ایک بڑا سامان ہے — جب گرفت و احتساب کی تلوار نیام سے باہر آتی ہے۔ تو کفر و ضلال کے بڑے سے بڑے حلیف اور امریکہ اور روس جیسی ساری قوتیں مجبور و بے بس بن کر رہ جاتی ہیں اور وہ بے آواز لاٹھی جب بولنے لگتی ہے تو آسمان و زمین تھرّا اٹھتے ہیں — چودھویں صدی کی اس عظیم ملوکیت اور شہنشاہیت کی تباہی مقدر تھی تو اس طبقہ کے ہاتھوں جسے رجعت پسند اور ملّا نے کہہ کہہ کر معاشرہ کا پست ترین اور زار و نحیف ٹولہ قرار دیدیا گیا تھا، گو

بارگاہِ خداوندی میں عزت و عظمت صرف اسی کے نام کے متوالوں اور اسی کے دین کے شیدائیوں کیلئے مخصوص ہے کہ : و للہ العزۃ و لرسولہ و للمومنین ۔ مگر اپنے زعمِ باطل اور جھوٹے ترقی پسندی کے گھمنڈ میں مغرور انسانوں کا یہ خدا فراموش مغرب زدہ ٹولہ جن لوگوں کو انہ کارِ رفتہ سمجھ بیٹھا ہے چودھویں صدی کی ڈھلتی ہوئی شام الٰہی غرباء اسلام کو خلعتِ کامرانی و سرخروئی سے سرفراز کرکے رخصت ہونا چاہتی ہے ۔ اور وہ جو حالات کے ہاتھوں ابابیل کی طرح لاچار و کمزور بنا دئے گئے تھے ان ابابیلوں کے ذریعہ جاہلیت عصرِ حاضر کے عفریت پاش پاش کئے جا رہے ہیں کہ یہ لوگ اس ذات قدسی صفات نبی الرحمۃ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے نام لیوا ہیں کہ جس کی آمد پر ایوانِ کسریٰ میں زلزلہ آگیا تھا اور طاقِ کسریٰ کے چودہ کنگرے پیوستِ خاک ہو گئے تھے ، شام کے آتشکدوں کی آگ بجھ گئی تھی اور سماوہ کی ندی سوکھ گئی ، اس نبی الرحمۃ کی امت نے جب بھی اس کے دین اس کی شریعت اس کے دستور العمل کا نام لیا تو فتح و کامرانی قدم چومنے لگی ۔ ایرانی عوام نے شہنشاہیت کے مذہب بیزار طور طریقوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا ہی تھا کہ چودہ سو سال بعد ایک بار پھر ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے زمین بوس ہو گئے اور تختِ طاؤس خاک میں مل گئے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ فتوحات کا اسلامی سیلاب جب چودہ سو سال قبل خسرو پرویز کسریٰ فارس کی طرف بڑھنے لگا تو اس وقت کے چیف جسٹس نے خواب دیکھا کہ مضبوط اور تنومند اونٹ اور اونٹوں کے پیچھے عربی گھوڑے دجلہ کو عبور کرکے بلادِ عجم میں پھیل گئے ہیں اس خواب کی تعبیر صدیوں تک مجسم بن کر خدا فراموش اقوام کو دعوتِ فکر و موعظت دیتی رہی اور اب جب کہ فارس اپنی کسرویت کی طرف پلٹنے لگ گیا تھا تو ابرھہ کو خود اس کے اونٹوں نے روند ڈالا ۔

پچھلے دو چار برسوں میں اس مختصر سے اقلیم ارضی یعنی تختیٔ برِ اعظم ہند و پاک اور افغانستان و ایران میں انقلاباتِ جہاں کا کتنا واضح مگر بھیانک سلسلۂ عبرت و نصیحت ہے ۔ جو شب ہائے ہجر یار کی مانند ختم ہی نہیں ہونے پا رہا کہ جب غفلت کی تہیں آہنی فولاد کی مانند دلوں پر جم جائیں تو قدرت تنبیہہ اور احتساب کے تیشوں کو بھی تیز سے تیز تر کر دیتی ہے ۔ بھارت کا نہرو خاندان یکایک اجڑ گیا جو رانی اپنے بیٹے کو راجا بنانے کا سوچ رہی تھی وہ شرمناک رسوائی کے ساتھ راتوں رات کوچۂ اقتدار سے نکال دی گئی اسی اقلیم کا ایک طالع آزما شیخ مجیب الرحمان قانون مکافات کے شکنجہ میں آیا تو کوئی آنکھ آنسو بہانے والی نہ تھی اور پھر اسی ٹریڈ یونین کے چیمپئن ذوالفقار علی بھٹو جس نے خدا کی اس

سرزمین پاک کو اپنے ظلم و فساد اور غرور و تکبر سے بھر دیا تو کاسۂ صبر لبریز ہو گیا۔ زمین اس پہ چاروں طرف سے تنگ کر دی گئی اور آج وہ ایک کال کوٹھڑی میں اپنے طبعی شرمناک و عبرتناک انجام تک پہنچنے کی گھڑیاں گن رہا ہے۔ اور رب کے بطش شدید کی تکمیل ہوا چاہتی ہے ۔۔۔ افغان شہنشاہیت کا غاصب سردار داؤد خان جو اپنے ہی عزیز و اقارب کے کھنڈرات پر تخت شاہانہ بچھائے ہوئے تھا راتوں رات کیسے بھیانک انجام سے دوچار ہوا، بعینہٖ مغلیہ شہنشاہوں کی طرح اس کے سامنے اس کے لخت جگر بیٹے بیٹیاں اور خاندان کے دیگر افراد چُن چُن کر بھون ڈالے گئے اور پھر اب باری آئی ایران کی کہ وہ باجبروت شہنشاہِ ایران جو صرف اپنی قلمرو پر قانع نہیں رہ سکا تھا۔ اور آس پڑوس کا بھی داروغہ بن بیٹھا تھا جو عالمی صیہونی اور سامراجی مفادات کا محافظ بنا ہوا تھا۔ اور جو کبر و نخوت کے ہاتھوں یا مغربی وابستگیوں سے مجبور ہو کر کسی عظیم عالمی اسلامی سربراہ کانفرنس میں شرکت بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ آج قدرت نے عرصۂ حیات اس پر تنگ کر دیا ہے وہ دیس دیس جا کر پناہ مانگتا ہے۔ مگر اور تو کیا اس کا اپنا ولی رحمت امریکہ بھی اپنی فطری عیاری اور فریب کاری بدعہدی اور بے حیائی کے عین مطابق اُسے اپنے ریاستہائے متحدہ میں دو چار مرلے زمین دینے پر تیار نہیں۔

عاد و ثمود کی داستانہائے عروج و زوال میں سامانِ نصیحت ڈھونڈنے والو! اپنے گرد و پیش کے ایسے واضح قریبی اور عظیم واقعات سے سبق لو کہ ان میں سے ہر ایک پکار پکار کر ہمیں دعوتِ نظارہ اور درس عبرت دے رہا ہے ؎

انقلاباتِ جہاں واعظ رب ہیں سن لو
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم
(شیخ الہندؒ)

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

پچھلے دنوں جامعہ ملیہ دہلی میں فکر اسلامی کی تشکیل جدید کے عنوان سے ایک اہم سیمینار ہوا جس میں ملک کے دانشوروں اور مفکرین نے شرکت کی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، نے اس تاریخی سیمینار کی صدارت فرمائی اور اپنے بصیرت افروز خطبہ کے ذریعہ موضوع بحث کی حدود متعین کر کے تبادلۂ خیال کے لئے معقول و مناسب جہتیں واضح کر دیں ہم اس اہم موضوع پر مقالہ نگار دامت برکاتہم کے خیالات قارئین الحق کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ "ادارہ"

۲۶ دسمبر ۱۹۷۶ء کو ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ اسلامیہ دہلی کے ایک غیر معمولی اور عظیم اجلاس میں شرکت ہوئی جس کا موضوع تھا "فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا مسئلہ" اس اجلاس میں ملک کے تمام مرکزی اداروں کے نمائندوں اور تقریباً ہر مکتب خیال کے فضلاء اور دانشوروں نے شرکت کی، اجلاس کی اہمیت صدر جمہوریہ ہند عالی جناب فخر الدین علی احمد کی شرکت سے اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ احقر ناکارہ کو صدر اجلاس منتخب کیا گیا، چونکہ صدر مملکت نے صرف ایک گھنٹہ دیا تھا اس لئے اجلاس کی پہلی نشست کی ساری کاروائی ایک ہی گھنٹہ میں پوری کی جانی ضروری تھی۔ ابتداء میں شیخ الجامعہ پروفیسر مسعود حسین صاحب نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور اس کے بعد محترم ضیاء الحسن صاحب فاروقی پرنسپل جامعہ کالج و ڈائرکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ نے اجلاس کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی، پندرہ پندرہ منٹ صدر جلسہ اور صدر مملکت کی تقریروں کے لئے تھے۔ احقر نے اولاً اپنی تقریر سے جلسہ کا افتتاح کیا، لیکن وقت کی قلت کی وجہ سے چونکہ اس اہم موضوع پر کوئی تفصیلی روشنی ڈالنا ممکن نہ تھا، اس لئے تقریر میں چند بنیادی اور اساسی نقاط ہی بیان کئے جا سکے، البتہ نشست کے اختتام پر جب اس کا ذکر آیا تو

ذمہ داران جامعہ نے اسے مناسب خیال فرمایا کہ یہ تفصیلات نقاط، مقالہ کے طور پہ لکھ کر ارسال کردی جائیں جس میں باقیماندہ نقاط بحث بھی شامل ہوں۔ اس لیئے یہ مقالہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں وہ سب بنیادیں بھی ہیں جو اجلاس میں زبانی بیان کی گئی تھیں۔ اور باقیماندہ نقاط بھی آگئے ہیں جو وہاں بیان میں نہ آسکتے تھے۔ ممکن ہے کہ ترتیب میں فرق ہو۔ لیکن مقاصد سب آگئے ہیں۔

فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا مسئلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اس موضوع کے سلسلہ میں چند بنیادی نقاط پیش کردوں جنہیں فکر جدید کی تعمیر اٹھانے والے حضرات کو پیش نظر رکھنا میرے نزدیک ازبس ضروری ہے۔

پہلے بطور تمہید کے یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ عالم بشریت میں فکر و تفکر ایک ایسی عظیم اصولی بلکہ اصل الاصول قوت ہے کہ انسان کی ساری معنوی قوتیں اسی کے نیچے آئی ہوئی ہیں اور سب اسی کی دست نگر ہیں جو بلا فکر ایک قدم بھی کسی میدان میں آگے نہیں بڑھ سکتیں حواس خمسہ ہوں یا عقل و دانش، ذوق و وجدان ہو یا بصیرت و تفقہ حدس و تجربہ ہو یا جوہر و قیافہ ان سب کا قائد اور محرک فکر ہی ہے۔ پھر یہ فکر نہ صرف یہ کہ انسان کی تمام معنوی قوتوں کا سرچشمہ ہی ہے بلکہ خود انسان کی ایک ایسی امتیازی خصوصیت بھی ہے جس سے اسکی انسانیت پہچانی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ قوت انسان کے دوسرے ابنائے جنس (حیوانات) میں نہیں اس لئے اگر اس فکری قوت کو انسان کی ماہیت کا حقیقی معرف کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

حواس خمسہ ہوں یا عقل و دانش،
ذوق و وجدان ہو یا بصیرت و تفقہ، حدس و تجربہ ہو یا جوہر و قیافہ
ان سب کا قائد اور محرک فکر ہی ہے۔

انسان کی مشہور و معروف تعریف حیوان ناطق یا حیوان عاقل سے کی جاتی ہے، لیکن غور کیا جائے تو اس سے انسان کا کوئی امتیاز بخش تعارف نہیں ہوتا کہ اسے انسان کی حد تام یا جامع و مانع تعریف سمجھ لیا جائے۔ کیونکہ عقل کا تھوڑا بہت جوہر غیر انسان حتیٰ کہ حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایک کتے کو بھی اگر ایک جگہ ٹکڑا ڈال دیا جائے تو اگلے دن وہ پھر اسی جگہ آموجود ہوگا۔ گویا وہ قیاس کرتا ہے کہ جب آج اس جگہ ٹکڑا ملا ہے تو کل کو بھی مل سکتا ہے اور جب مل سکتا ہے تو پھر اسی جگہ پہنچ جانا چاہیئے یہ صغریٰ کبریٰ ملانا آخر عقلی قیاس نہیں ہے تو اور کیا ہے، خواہ وہ تعبیری اور لفظی نہ ہو مگر ایک حقیقت تو ہے۔ نیز عرف عام میں بعض جانوروں کو چالاک اور ہوشیار کہا جاتا ہے جیسے لومڑی۔ اور گدھے، بھینس کو عام طور سے احمق اور بلید کہتے ہیں۔ سعدی شیرازیؒ نے کہا تھا کہ ؎

مسکین خر اگرچہ بے تمیز است

چون بار ہمی برد عزیز است

اور کسی نے بھینس کے بارے میں بھی کہا ہے کہ:

خاموش بے وقوف و بے ہوش — چوں شیر دہد تو چشم از و پوش

اگران حیوانات میں عقل وشعور کی جنس ہی نہ ہوتی تو یہ نوعی تفاوت کی تقسیم صحیح نہ ہوتی جو عرفِ عام میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے ، اندریں صورت عاقلیت یا دریافت معقولات علی الاطلاق انسان کی خصوصیت قرار دے کر اس کی حدِ تام حیوان ناطق کو بتلایا جانا اور اس سے نوعِ انسانی کا تعارف کرایا جانا کوئی جامع مانع قسم کا تعارف نہیں ہو سکتا۔ البتہ فکر و تدبر کے راستے سے حقائق کا تجزیہ کر کے ان میں امتیاز قائم کرنا نت نئے اکتشافات سے جزئیات پیدا کر لینا، جزئیات کو جمع کر کے ان سے کلیات بنانا، کلیات سے جزئیات کا نکال لینا اور جزئیات کے عواقب ونتائج کو سمجھنا نتائج کے معیار سے عواقب اور انجام دنیا و آخرت کو پیش نظر رکھنا نوعی خیر سگالی اور اس کی منظم تدبیریں اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے سوچ بچار وغیرہ بلاشبہ انسانی نوع ہی کے ساتھ مخصوص ہے ۔ اور یہ سب اسی فکر کے کرشمے ہیں۔ اس لئے انسانی حقیقت کی اگر کوئی جامع مانع تعریف ہو سکتی ہے تو وہ حیوان ناطق نہیں بلکہ حیوان متفکر ہو سکتی ہے ۔کیونکہ فکر مندی، فکر نمائی اور فکری پیمائش اور وہ بھی عمومی اور پوری نوعِ بشری کے لئے اور نہ صرف اس حیات کے لئے بلکہ حیات مابعد الموت تک کے لئے صرف انسان ہی کی خصوصیت ہے ۔جو اس کے دوسرے ابنائے جنس کو میسر نہیں اس لئے حیوان متفکر ہی کو انسان کی حدِ تام کہنا کچھ زیادہ قرینِ عقل نظر آتا ہے ۔ پس یہ فکری قوت ہی انسان کی سب سے بڑی فعال قوت اور اس کی ساری معنوی قوتوں میں اصل الامر کی حیثیت رکھتی ہے اور یہی وہ طاقت ہے جس سے وہ کائنات میں متصرف اور ہر عنصری مخلوق سے اونچا سمجھا جاتا ہے ۔ پھر یہی نہیں کہ انسان اس قوت کا ایک ظرف ہی ہے جس میں عقل و دانش ذوق و وجدان اور حدس و تجربہ وغیرہ جیسی قوتوں کی مانند فکر بھی ان ہی جیسی ایک قوت ہے اور دوسری قوتوں کی طرح وہ بھی کسی نہ کسی وقت اپنے محدود و مخصوص دائرے میں کام دے جاتی ہے ، بلکہ فکر کی طاقت اس کی تمام معنوی طاقتوں پر حکمران متصرف اور انکی روح ہے ۔ جس کے اشاروں پر یہ ساری قوتیں آمادۂ عمل رہتی ہیں اگر کہیں نمائشی گرد و فر کا بازار گرم ہو اور باجوں، گاجوں اور نعروں کی آوازیں فضا میں گونج رہی ہوں، لیکن اگر راہ گیر کسی دوسرے خیال میں مستغرق ہو، تو ان میں سے ایک چیز بھی نہ آنکھ کو نظر آئے گی نہ کان کوئی آواز سن پائے گا اور لاعلمی کے اظہار پر جب لوگ حیرت کریں گے تو وہ یہ کہے گا کہ میں تو فلاں بات کے فکر میں ڈوبا ہوا تھا مجھے ان مناظر اور آوازوں کی کچھ خبر نہیں اس سے واضح ہے کہ آنکھ، کان خود نہ دیکھتے ہیں بلکہ قوتِ خیال و فکر ہی دیکھتی سنتی ہے ، یہ آنکھ کی بینائی اور کان کی شنوائی فکر کے آلات و وسائل سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

یہی صورت عقل و دور اندیشی کی بھی ہے کہ آدمی زیرک بھی ہو اور دانائے روزگار بھی سمجھا جاتا ہو لیکن وہ کسی نظریئے کی سوچ میں محو ہو تو دوسرے کتنے ہی عقلی نظریات اس کے سامنے رکھ لئے جائیں نہ وہ انہیں سمجھ سکے گا نہ ان کا شعور ہی پا سکے گا ۔کیونکہ اس کی قوتِ فکر یہ کسی دوسرے میدان میں مصروفِ جولانی ہے اور فکر کو فرصت نہیں ہے کہ وہ اس نظریئے پر غور کر سکے ۔ اس طرح روحانی احوال و کیفیات کا ادراک بھی قوتِ فکر یہ کے بغیر وجود پذیر

نہیں ہو سکتا اگر غیبی میدانوں میں فکر کی قوّت متوجہ ہی نہ ہو یا کسی دوسرے روحانی مقام میں محو ہو تو دوسرے غیبی اور وجدانی لطیفے قلب پر بھی منکشف نہیں ہو سکیں گے ۔ آخر مراقبات میں قوتِ فکر اور دھیان ہی کا تو استعمال ہوتا ہے احسان یا تصوف کے معنی ہی یہ ہیں کہ اللہ کو اس طرح حاضر ناظر تصوّر کر کے آدمی عبادت میں مصروف ہو گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے ۔ سو یہ قوتِ فکر کا استعمال نہیں تو اور کیا ہے ۔ ؟

بہرحال یہ ایک واقعی حقیقت ہے کہ انسان کی معنویت میں حقیقی کارپرداز صرف یہ فکر ہی کی قوّت ہے وہ نہ متوجہ ہو تو قوتِ باصرہ ، سامعہ ، شامہ ، ذائقہ ، لامسہ اور قوّتِ عاملہ سب معطل رہ جاتی ہیں ۔ اس لئے جب وہ محسوسات کیطرف متوجہ ہوتی ہے ۔ تو حواسِ خمسہ ہرکاروں کی طرح اس کے حکم پر دوڑتے ہیں ، جب عقلیات کیطرف منعطف ہوتی ہے ۔ تو عقل ایک خادم کی طرح اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے ۔ یہی قوّتِ فکر جب غیبیات کی طرف چل نکلتی ہے تو وجدانِ ذوق اس کے اشاروں پر کام کرتے ہیں ۔

اس لئے قوّتِ فکریہ نہ صرف یہ کہ انسان کی خصوصیّت ہی ہے ، جو اس کی ماہیّت کا سرنامہ ہے ۔ بلکہ اس کی ساری ہی اندرونی قوتوں کی روح اور ان کے حق میں محرک اور قائد بھی ہے ۔ قرآن حکیم نے اپنے کلام معجز نظام میں اسی حقیقت کو واشگاف فرمایا ہے ۔ چنانچہ جو قومیں ان حسّی طاقتوں ، آنکھ کی بینائی اور کان کی شنوائی وغیرہ کے ذریعے معجزاتِ انبیاء کو دیکھتی تھیں اور ان کے پاک کلمات سنتی بھی تھیں مگر رضا و تسلیم کا نام نہیں لیتی تھیں تو قرآن حکیم نے انکی وجہ آنکھوں کی نابینائی یا کانوں کی ناشنوائی قرار نہیں دی بلکہ دل کی نابینائی بتلائی ہے جو درحقیقت اس قوّتِ فکریہ کی نابینائی ہے ۔ ارشاد فرمایا :

فانھا لاتعمی الابصار ولکن	(بات یہ ہے کہ) انکی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ سینوں
تعمی القلوب التی فی الصدور ۔	میں دل اندھے ہیں ۔ (جو فکر اور غور سے عاری ہیں)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حواس کی روح اور مدارِ کار فکرِ قلب ہی ہے نہ کہ نظرِ چشم ۔ فکر کی آنکھ نہ ہو تو حواس سب کے سب اندھے ہی رہ جاتے ہیں ۔ گو وہ طبعی آمادگی سے دید و شنید کا کام بھی انجام دیئے جائیں ۔ اس لئے قرآن حکیم نے منکرین کی ظاہری دید و شنید کو مانتے ہوئے بھی اس کی حقیقی کارکردگی کا انکار کیا ہے جبکہ اس کی غرض و غایت ہی اس پر مرتب نہیں ہوتی جو قوتِ فکر سے متعلق ہے کہ یہی فکر ہی روح ان محسوسات کے پیکروں میں سے ان کی روح نکال کر لاتی ہے ، ارشادِ حق ہے :

ومنھم من یستمعون الیک	اور (آپ ان کے ایمان کی توقع چھوڑ دیجئے کیونکہ) ان میں
افانت تسمع الصم ولو کانوا	(گو) بعض ایسے بھی ہیں جو (ظاہر میں) آپ کی طرف کان
لایعقلون ومنھم من ینظر	لگائے بیٹھے ہیں ۔ کیا آپ بہروں کو سنا کر ان کے

الیک افانت تھدی العمی	ماننے کا انتظار کرتے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو اور (اسی طرح)
ولو کانوا لا یبصرون۔	ان میں بعض ایسے ہیں کہ (ظاہراً) آپکو (مع معجزات وکمالات)
...	دیکھ رہے ہیں تو پھر کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھلانا چاہتے
...	ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو۔

اس سے واضح ہے کہ سنکر کسی چیز کو ان سُنی کر دینا اور دیکھ کر ان دیکھی بنا دینا قوت فکر ہی کے تعطّل سے ہوتا ہے۔ جس کو قرآن نے عقل و ابصار سے تعبیر کیا ہے گویا حس مبصر و مستمع میں یہ بنیادی شعور شامل نہ ہو جس کا قوت مفکرّہ کے غور و فکر سے تعلق ہے تو وہ مبصّر اور مستمع بلحاظ حقیقت غیر مسموع اور غیر مبصّر کے حکم میں ہے۔ پھر اس طرح قرآن حکیم نے ایک دوسری جگہ ان منکروں کے حق میں فرمایا جو پیغمبر علیہ السّلام اور ان کے پیغمبرانہ اقوال و انعال کو دیکھتے اور سنتے تھے، اور طبعی انداز سے وہ بینا اور شنوا بھی تھے۔ لیکن فکرِ قلبی نہ ہونے یا نہ برتنے سے ان کے یہ حواس، حیوانی حواس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے، اور ان میں وہ فکری شعور نہ تھا جو حقیقی معنی میں دیکھتا اور سنتا ہے جسے قرآن نے نقہ قلبی سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد حق ہے:

لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم	ان کے دل ایسے ہیں کہ جن سے وہ سمجھتے نہیں ان کی
اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان	آنکھیں ایسی ہیں کہ جن سے وہ دیکھتے نہیں ان کے کان
لا یسمعون بھا اولئک کالانعام	ایسے ہیں کہ جن سے وہ سنتے نہیں ایسے لوگ چوپایوں
بلھم اضل اولئک ھم الغافلون	کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ رو یہی لوگ
...	غافل ہیں۔

اس سے واضح ہے کہ قلب کا محض طبعی شعور اصل نہیں جو حیوانات میں بھی موجود ہے بلکہ نقہ قلب اصل ہے۔ جس کا دوسرا نام قوتِ فکر ہے وہ نہ ہو تو حواس یا کام ہی نہ کریں گے یا کریں گے تو وہ ناقابلِ اعتبار رہے گا اور غیر قابلِ التفات، جس سے نمایاں ہے کہ قلبی نور اصل ہے، جس کا نام فکر ہے نہ کہ مطلقاً قلبی شعور جو چوپایوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

اسی طرح عقل کے بارے میں بھی قرآن کریم نے یہی فیصلہ دیا ہے کہ اس کی کارگذاری کے قابلِ التفات ہونے کا معیار بھی یہی قوتِ فکر ہے، عقلِ محض نہیں، یعنی عقلِ طبیعی کے سوچ بچار کے باوجود جبکہ قلب کا فقہی سوچ بچار اس کا منشا نہ ہو جس کا نام فکر ہے تو عقلی شعور بھی بے شعور اور ناقابلِ اعتنا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے قلوب کو جو بے فکرے ہوں قرآن نے عاقل نہیں کہا غافل کہا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

ومن آیاتہ یریکم البرق خوفا	اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا

وطمعًا وینزل من السماء ماء	ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے۔ اور
فیحیی به الارض بعد موتھا	وہی آسمان سے پانی برساتا ہے۔ پھر اسی سے زمین
ان فی ذٰلك لآیات لقوم	کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ ان
یعقلون۔	میں سے ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے نمایاں ہے کہ برق و بخار اور بارش سے احیاء غبار (زمین) وغیرہ باوجود یہ کہ آنکھوں سے نظر آنے کی چیزیں ہیں جنہیں سب دیکھتے ہیں حتیٰ کہ چرند و پرند بھی، اور ان سے اس دنیوی زندگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ خوف و طمع کا اثر بھی لیتے ہیں، لیکن فرمایا یہ گیا ہے کہ ان حوادث میں قدرت کی نشانیاں پنہاں ہیں اور ان ہی کی پہچان کرانا مقصود بھی ہے۔ وہ صرف عقل لڑانے والوں ہی کے لئے ہیں۔ آنکھ لڑانے والوں کے لئے نہیں۔ اور عقل لڑانے کا نام ہی فکر کا استعمال ہے۔ جو عقل کو کام پر لگاتا ہے۔ بے فکری اور بے توجہی سے عقلی تگ و تاز بھی عبث اور بے نتیجہ رہ جاتی ہے۔ بہر حال حس ہو یا عقل، ذوق ہو یا وجدان بلا فکر کے نابینا اور بے نگاہ سمجھے گئے ہیں جس سے فکر کا بلند مقام کھل کر سامنے آجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جگہ جگہ مختلف دائروں میں انسان کو فکر و تدبر کی دعوت دی ہے۔ کہیں غور و فکر کیلئے انفسی آیات کہیں شرعی اور علمی آیات سامنے رکھی ہیں اور کہیں وجدانی اور لدنی آیات اور ان میں تدبر اور غور و فکر کا مطالبہ کیا ہے، انفسی آیات کیطرف رہنمائی کے لئے فرمایا:

وَفی انفسکم افلا تبصرون۔	تمہارے اندر (خود دلائل معرفت) موجود ہیں کیا تم غور نہیں کروگے۔

کہیں آفاقی آیات پیش کیں جیسے:

اولم ینظروا فی ملکوت السّمٰوات والارض۔	کیا تم آسمانوں اور زمین کے حقائق میں نظر (و فکر) نہیں کرتے۔

کہیں ان دونوں نوعوں کو جمع کر کے فرمایا:

سنریھم آیاتنا فی الآفاق	ہم عنقریب ان کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں ان کے گردونواح
وفی انفسھم حتیٰ یتبیّن	میں بھی دکھادیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ
لھم انه الحق۔	ان پر ظاہر ہوجائیگا کہ وہ قرآن حق ہے۔

کہیں شرعی آیات پیش کیں اور قرآن حکیم کو غور و تدبر کے لئے پیش کیا:-

افلا یتدبرون القرآن ولو کان	کیا پھر قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور
من عند غیر اللہ لوجدوا فیه	کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔
اختلافا کثیرا۔	

کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی حیاتِ طیبہ کی شان اور پاکیزہ سیرت وکردار میں غور کرنے کیطرف توجہ دلائی تاکہ اس سیرتِ پاک کو دیکھ کر آپ کی دعوت کی صداقت دلوں میں آجائے اور لوگ اسے ماننے کے لئے تیار ہوجائیں، فرمایا :-

قل انما اعظکم بواحدۃ ان	آپ فرمادیں اے پیغمبر کہ میں تمہیں ایک ہی بات کی نصیحت
تقوموا للّٰہ مثنیٰ وفرادیٰ	کرتا ہوں کہ تم دو دو اور ـــ ایک فرادیٰ اٹھو اور پھر
ثم تتفکروا ما بصاحبکم	فکر کرو کہ کیا واقعی تمہارے ان ساتھی (پیغمبر) میں کوئی
من جنّۃ ان ھو الا نذیرٌ	دیوانگی یا جنون ہے ؟ وہ تو اس کے سوا کچھ اور نہیں ہیں
لکم بین یدی عذابٍ شدید	کہ تمہیں آخرت کے شدید عذاب سے ڈرانے والے ہیں
...	جو تمہارے سامنے آنیوالا ہے۔
اولم یتفکروا ما بصاحبکم	کیا یہ فکر سے کام نہیں لیتے اپنے (ساتھی پیغمبر) کے بارے میں کہ
من جنّۃ ان ھو الا نذیرٌ	کیا ان میں جنون ہے ؟ وہ نہیں ہیں مگر ایک کھلے ہوئے ڈرانے
مبین ۔	والے آخرت کے عذاب سے کیا یہ کسی مجنون کا کام ہے -!

یہی صورت وجدانیات کی بھی ہے کہ حقائقِ غیبیہ کے انکشاف میں بھی یہی قلبی فکر کام کرتا ہے جسکو لُب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس سے منکشف شدہ علوم ومعارف کو حکمت سے تعبیر کیا جاتا ہے قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی	جسے حکمت دیدی گئی اسے خیر عطا کردی گئی اور نصیحت
خیراً کثیرا وما یذکر الا اولوا الالباب	وہی قبول کرتے ہیں جو گہری عقل والے ہیں۔

حاصل یہ کہ مطلقاً عقل ایک طبعی غریزہ اور طبعی مادہ ہے ۔ جیسے بینائی اور شنوائی وغیرہ مگر وہ صورتِ عقل ہے جو مادۂ شعور ہے اور زیادہ سے زیادہ قیاس کے راستے سے کلیات کا ادراک کر لیتا ہے ، لیکن لُب اور لُباب حقیقتِ عقل ہے جس سے حقائقِ کونیہ اور حقائقِ شرعیہ منکشف ہوتی ہیں۔ اسی کا نام فکر ہے ۔ یہ حکمت جسے خیر کثیر کہا گیا ہے محض عقلِ طبعی سے برآمد نہیں ہوتی بلکہ عقلِ عرفانی سے منکشف ہوتی ہے جسے لُب کہا گیا ہے۔

بہرحال قرآن حکیم نے اس خاص قوتِ فکر کو جس کا تعلق قوانینِ الٰہی ، معرفتِ خداوندی ، حقائقِ نبوّت اور اس کے ایمان کے انکشاف سے ہے جسے صبغۃ اللہ کہا گیا ہے اسی کو کہیں فقہ قلبی سے ، کہیں لُبّ (عرفانی) کہیں نظرِ (باطن) سے کہیں بصیرت سے اور کہیں " الصابغ من اللہ " سے تعبیر کیا گیا ہے جو انسان کی ساری قوتوں ، حواس ، عقل ، وجدان اور حاسّں وتجربے کو کام میں لگاتا ہے ۔ اور یہ صرف انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے ۔

بہرحال قرآنِ حکیم نے فکر کو انسان کا بنیادی جوہر قرار دے کر اس کا مصرف انفس و آفاق تشریع و تکوین اور کمالاتِ ذات و صفاتِ نبوی اور معرفتِ الٰہی کو تلایا ہے اور جگہ جگہ اسی کی دعوت دی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فکر و تدبر چشمِ بینا اور گوشِ شنوا کا کام نہیں بلکہ قلبِ متفکر ہی کا کام ہے۔ اور فکر ہی جب ان اعضاء و حواس وغیرہ کا امام بنتا ہے تو وہ اسکی اقتدا میں اپنا اپنا کام انجام دیتے ہیں اور پھر فکر ان میں سے اصولی، کلی اور علمی مقاصد تک پہنچ کر معرفتِ حق کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ فکر ہی انسان کی امتیازی صفت ہے فکر ہی انسانی حقیقت کی فصل ممیز ہے۔ فکر ہی سے علم و معرفت کے دروازے کھلتے ہیں فکر ہی انسان کی ظاہری اور باطنی قوتوں کا امام اور سربراہ ہے۔ اگر فکر اسلام میں مطلوب نہ ہوتا تو اجتہاد کا دروازہ کلیۃً مسدود ہو جاتا اور شرائع فرعیہ امت کے سامنے نہ آسکتیں یہ بحث الگ ہے۔ کہ کس درجہ کا اجتہاد باقی ہے۔ اور کس درجہ کا ختم ہو چکا ہے۔ مگر اجتہاد کی جنس بہرحال امت میں قائم رکھی گئی ہے جو برابر قائم رہے گی اس لئے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے اگر اس بنیادی اصول بلکہ اصل الاصول کی طرف ہندوستان کے علمی حلقوں کی توجہ دلائی اور دنیا کے بدلتے ہوئے حالات میں فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید کی دعوت دی، اور

جامعہ کی بنیاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ نے رکھی تھی جس کا نصب العین ہی قدیم و جدید تعلیم کو یکجا کرکے ملت کی مختلف صلاحیتوں کو ایک مرکز پر جمع کر دینا تھا

اربابِ علم و فضل کو انسانی اور ربانی حقائق کے انکشافات کی طرف متوجہ کیا تو نہ صرف یہ کہ اس نے ایک بڑا بنیادی مسئلہ اٹھایا ہے بلکہ خود جامعہ کی تاریخ کو بھی دہرایا ہے کیونکہ جامعہ کی بنیاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ نے رکھی تھی جس کا نصب العین ہی قدیم و جدید تعلیم کو یکجا کرکے ملت کی مختلف صلاحیتوں کو ایک مرکز پہ جمع کر دینا تھا۔ تاکہ فکرِ واحد کے راستے سے قوم کے ان دو گروہوں قدیم و جدید کی دوئی ختم کر کے انہیں افکار و خیالات اور عقائد و مقاصد کی وحدت سے قوم واحد بنا دیا جائے۔ اس لئے بلاشبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اس اقدام میں تبریک و تحسین کی مستحق ہے، لیکن اس نئی نہضت اور فکر اسلامی کی تشکیلِ نو کے جذبات سامنے آنے پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس فکر کا علمی آغاز کس مرکزی نقطہ سے کیا جائے جس میں یہ تمام مذکورہ انواع جن کے لئے قرآنِ حکیم نے دعوت دی ہے سمٹ کر اسی مرکزی نقطہ کے نیچے جمع ہو جائیں اور کام بجائے پھیلنے کے سمٹ کر اس بنیادی نقطہ سے شروع ہو۔

(باقی آئندہ)

قومی کمیٹی برائے دینی مدارس

مولانا عبدالشکور ترمذی ساہیوال سرگودھا ——— کی ———

خدمت میں

دینی مدارس کے تشخّص اور مقاصد وافادیّت کو تباہ نہ کیجئے

بگرامی خدمت جناب اراکین قومی نصاب کمیٹی برائے دینی مدارس !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بعد سلام مسنون دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں تبدیلی اور سرکاری مدارس کیساتھ اس نصاب کی ہم آہنگی کا مسئلہ بڑا غور طلب اور اہم مسئلہ ہے اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر چند گذارشات پیش کی جاتی ہیں جن کا اس مسئلہ کے طے کرتے وقت پیش نظر رکھنا اشد ضروری ہے ۔

۱۔ دینی مدارس کا اصل مقصد قرآن وحدیث اور تفسیر وفقہ دینی علوم میں کامل مہارت کا پیدا کرنا اور علوم دینیہ میں تفقہ کا درجہ حاصل کرنا ہے اور اس معیاری علم کے حاصل کرنے کے لئے بڑی محنت اور یکسوئی کی ضرورت ہے ۔ اس لئے ماہرین تعلیم اور تجربہ کار علماء دین نے طلباء علوم دین کے لئے علم کے اکتساب تحصیل کے زمانہ میں کسی ایسی چیز کیطرف توجہ کرنے کو سخت مضرت رساں سمجھا ہے ۔ جس سے طالب علم کی توجہ طلب علم سے ہٹ کر دوسری کسی جانب لگ جانیکا اور اکتساب علم میں خلل انداز ہونیکا اندیشہ ہو ۔

۲۔ عقل اور تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایک وقت میں دو کاموں کیطرف پوری توجہ نہیں دی جا سکتی ۔ دینی علوم کیساتھ دنیاوی علوم وفنون حاصل کئے جائیں گے تو توجہ تقسیم ہو کر یکسوئی فوت ہو جائے گی ۔ اس طرح علوم دینیہ میں کمال اور مہارت پیدا کرنے کیطرف پوری دلچسپی باقی نہیں رہ سکتی ۔ اور دینی مدارس کے قیام کا مذکورہ اصل مقصد کماحقہ حاصل نہیں ہو سکتا ۔

۳۔ عالم دین کے لئے منشی فاضل مولوی فاضل کے امتحان کو بھی ماہرین علوم دینیہ نے اس لئے پسند نہیں کیا ، کہ پھر وہ اسکولوں کی تلاش اور وہاں کے محدود نصاب کی تعلیم میں مشغول ہو کر علمی استعداد روز افزوں ترقی کے اضافہ سے

محروم ہو جائے گا۔ اسکی ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ دینی مدارس کے ذی استعداد فضلاء نے سرکاری امتحان دیکر اپنی تمام عمر سرکاری اسکولوں میں گذار دی اسطرح اپنی علمی استعداد اور قابلیت کو وہاں کے محدود نصاب میں گم کر دیا۔ اگر وہ دینی مدارس میں کام کرتے تو یقیناً انکی استعداد اور قابلیت زیادہ ترقی کر جاتی اس مشاہدہ کے خلاف کوئی شاذ و نادر ہی مثال مل سکے گی۔

۴۔ ہمارے دینی مدارس میں جو نصاب درس نظامی کے نام سے رائج ہے اس میں قرآن و حدیث اور تفسیر و فقہ کی کتابیں ہی اصل مقصود ہیں اور باقی دوسرے علوم و فنون کی کتابیں ان علوم مقصودہ کی معاون اور مددگار ہیں اگرچہ بعض کو سطحی نظر سے بعض کتابوں کا علوم دینیہ سے تعلق ظاہر نہیں ہوتا۔ غور سے دیکھا جائے تو درس نظامی کی سب کتابوں کو ان علوم مقصودہ سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق حاصل ہے۔

۵۔ یہ نصاب برس ہا برس سے دینی مدارس میں رائج ہے۔ اسکی افادیت و جامعیت کا عرصہ دراز سے تجربہ ہو رہا ہے اور دینی مقاصد کے حصول اور دینی علوم میں مہارت پیدا کرنے کے لئے یہ نصاب اپنی نظیر نہیں رکھتا اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اس کا ثانی اور بدل کوئی نہیں ہو سکتا۔ گذشتہ صدیوں کے وہ نام علماء و صلحاء جنہوں نے اس نصاب کے ذریعہ اپنی علمی تکمیل کی اور پھر تمام عمر اسی کی خدمت میں گذار دی س نصاب کے کامیاب اور مفید مقصد ہونیکی وہ واقعاتی اور تجرباتی دلیل ہے جسکو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ ماضی قریب یں بھی اس نصاب سے استفادہ کرنیوالوں میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مولانا فتی محمد شفیع دیوبندیؒ مولانا محمد یوسف بنوریؒ وغیرہ وغیرہ کے چند اسمائے گرامی نمونہ مشتے از خروارے کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں۔ متذکرہ علماء کرام کے معیاری علم و فضل کی نظیر نہ یہ کہ صرف پاک و ہند میں ستیاب نہیں ہو سکتی بلکہ پوری دنیائے اسلام میں بھی بہت ہی کمیاب ہے۔ اس درجہ کے علم و فضل احاصل ہونا اسی نصاب کا مرہون منت ہے۔ جسکا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا ہے۔ اور جو صدیوں سے آزمایا ہوا اور تجربہ شدہ ہے۔

۶۔ ہمارے سامنے ایسے مدارس عربیہ کی مثالیں موجود ہیں جن میں دینی مقاصد کے حصول کے ساتھ دنیاوی مقاصد کے حصول کیلئے درس نظامی میں ترمیم کر کے زمانہ حاضرہ کی بعض ضروریات کی تحصیل کیلئے بعض نئے فنون کی کتابیں داخل نصاب کر دی گئی ہیں۔ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیاوی مقاصد غالب آ گئے اور دینی مقاصد مغلوب ہو کر رہ گئے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اپنے نصاب کے ذریعہ دینی علوم کے ماہر معیاری ایسے علماء تیار نہیں ہو سکے جسطرح کے درس نظامی سے تیار ہوتے رہے ہیں۔

۷۔ ان مفاسد اور مضرتوں کے علاوہ اصولی طور پہ یہ بات ذہن نشین رہنی بہت ضروری ہے کہ یہ مدارس دینی ہیں ان کا قیام خالصۃً دینی مقاصد کے حصول کے لئے عمل میں لایا گیا ہے۔ اس لئے ان کے نصاب کو ایسے علوم و فنون سے قطعی طور پہ محفوظ رکھنا ضروری ہے، جن سے دینی مقاصد کے حصول میں کمی اور خلل کا خطرہ ہو۔ اور دنیاوی فنون کے داخل نصاب ہونے سے یہ قوی خطرہ ہے کہ دینی تعلیم میں نقصان واقع ہوگا۔ اس لئے کہ دینی ترقی کی بجائے دنیاوی ترقی کی طرف عام طور پہ زیادہ میلان ہوتا جا رہا ہے۔ اس طرح یہ درسگاہیں بھی دینی تعلیم کی بجائے دنیاوی تعلیم گاہوں میں تبدیل ہو کر رہ جائیں گی اور طالب دین طالب دنیا بن جائیں گے۔ پھر جو حشر کالجوں میں دینیات کا ہو رہا ہے وہ ان مدارس میں ہونے لگے گا۔

۸۔ جس طرح ماہرین تعلیم کے مشوروں کے مطابق تعلیم کے مختلف شعبوں ڈاکٹری اور قانون وغیرہ کی تعلیم کیلئے الگ الگ کالج قائم کئے ہوئے ہیں اور سب شعبوں کے لئے تعلیم کا یکجا انتظام ممکن نہیں اور نہ ہی ہر شعبہ میں تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے جبکہ جس شخص کو جس شعبہ کے فن کے ساتھ طبعی مناسبت اور دلچسپی ہوتی ہے وہ اپنے پسند کے کالج میں داخلہ لے لیتا ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ملک و ملت کی بقا اور اسلام اور اسلامیات کے تحفظ کیلئے دینی مدارس کا تشخص اور ان کا موجودہ علیحدہ نظام اور طریق تعلیم مع اپنے مخصوص نصاب کے قائم رہنا بہت ضروری ہے تاکہ ان میں قانون اسلام کے اپنے ماہرین پیدا ہوتے رہیں جو تمام عمر یکسوئی کے ساتھ ہمہ تن مشغول رہ کر دین کیلئے دین کے شعبہ میں کام کرتے رہیں، اور دین کی خدمت کے لئے اسی دین کے شعبہ کو مخصوص کرلیں۔

۹۔ مقصد یہ ہے کہ ملک کی ضروریات میں جس طرح یہ بات داخل ہے کہ ہر شعبہ اور فن کے ماہرین کی جماعت ملک میں تیار ہوتی رہے اور اس کے لئے الگ الگ کالج قائم ہیں۔ اس طرح دینی مدارس کا اپنے خاص نصاب کے ساتھ باقی رکھنا بھی ملک و ملت کی ایک مذہبی ضرورت اور اہم فریضہ ہے۔ اس لئے کہ دینی مدارس کے ذریعہ پیدا ہونے والے خالص "ملا" سے بھی ملک و ملت کی بقاء اور تحفظ اسلام کا فریضہ انجام پا رہا ہے۔ ان ملاؤں کے پیدا کرنے والی درسگاہوں کا وجود بھی ملک و ملت کیلئے اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا کہ دوسرے مروجہ علوم و فنون کی درسگاہوں کا ملک میں ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

۱۰۔ اگر ہماری حکومت کو دینی مدارس کے فارغ التحصیل علماء کی مالی مشکلات کا مداوا پیش نظر ہے۔ اور معاشرہ میں ان کا مقام بلند کرنا منظور ہے اور وہ دینی مدارس کو ہمدردی اور تعاون کا حقدار سمجھتی ہے تو مدارس دینیہ کے نصاب میں مروجہ فنون کی پیوندکاری اور نصاب میں تبدیلی کی بجائے (جس سے ان مدارس کی مقصدیت اور افادیت کو نقصان پہنچنے کا شدید خطرہ ہے۔) ان ہی مدارس کے نصاب کی تکمیل اور سند یافتہ علماء کو سرکاری مدارس میں

باقی ص پہ

جناب مضطر عباسی

کالج اور مدرسے کا فرق

قدیم و جدید سرکاری اور غیر سرکاری نظام تعلیم کا تقابل اور جائزہ

ایک بے لاگ اپریشن

یہ حقیقت ہر کسی نے مان لی ہے کہ "ہمارا مروّجہ نظام تعلیم" ان مقاصد کے حصول میں ناکام ہے جن کے لئے قوم کروڑوں روپے سالانہ کے حساب سے سکولوں کالجوں اور یونی ورسٹیوں پر خرچ کر رہی ہے یہ سوال کہ "تعلیم کے مقاصد کیا ہیں؟" ہماری آج کی معروضات کا مبحث یا موضوع نہیں۔ اس لئے کہ ہمارا نظام تعلیم کسی بھی قسم کے مقاصد کے حاصل کرنے میں کامیاب ثابت نہیں ہو رہا۔ نہ ہم نیک۔ صالح اور باکردار مسلمان تیار کر سکے ہیں۔ نہ اچھے اور قابل مصنّف، ادیب یا دانشور تیار ہوسکے ہیں اور نہ ہی سائنس اور علوم جدیدہ میں ہم نے پیش رفت کی ہے۔

ہم نے اپنے نظام تعلیم کو بہتر اور کامیاب بنانے میں جس قدر کوشش کی اسی قدر ناکامی اور نامرادی میں تیزی اور شدت پیدا ہوئی ہے۔

ہماری سوچ اور اندازِ فکر کا یہ عالم ہے کہ قومی خزانے سے کروڑوں روپے ہر سال سرکاری اور نیم سرکاری سکولوں کالجوں اور یونی ورسٹیوں پر خرچ ہو رہے ہیں اور ہم عربی مدارس اور جامعات کے نصاب میں تبدیلی مسجدوں میں سرکاری سکولوں کے اجرا اور دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کے لئے تجاویز اور قراردیں پاس کر رہے ہیں اور عربی مدارس کے نادان دوستوں کا یہ حال ہے کہ حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ عربی مدارس کی اسناد کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے اور یہ نہیں سوچتے کہ اگر درسِ نظامی کے فارغ عالم کو الیف، اے۔ بی اے یا ایم اے کی سند دے دی گئی تو اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ اس سند کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوگی کہ ہمارے مدارس کے فارغ التحصیل دفتروں میں درجہ چہارم کے ملازم پولیس کے سپاہی یا فوج میں ادنیٰ درجے کی ملازمت حاصل کر سکیں گے اور اس سے آگے نہیں۔ اس لئے کہ ہمارے ہاں رواج اور چلن انگریزی کا ہے ہمارے سرکاری ملازم سب نہیں تو اکثریت خدا بیزار ایسے لوگوں کی ہے جو دین کا ذہن اور سوچ نہیں رکھتے۔ فرائض سے غفلت اور ناجائز ذرائع سے ترقی حاصل کرنا

ان کے ہاں نہ صرف یہ کہ عیب نہیں بلکہ قابلیت اور خوش بختی کی علامت بن چکا ہے۔ رشوت کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان حالات میں جب ہمارے محترم قبلہ مولوی صاحب کسی عربی مدرسے کی سند لے کر ملازمت کے لئے کسی سرکاری ادارے کے اہل کار کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو وہ کہے گا حضرت ہمارے ہاں انگریزی جاننے والے کے لئے جگہ تو ہے۔ لیکن عربی۔ دینیات۔ قرآن و حدیث۔ یا فقہ اور منطق جاننے والے عالم کے لئے جگہ نہیں۔ وہ اہل کار یہ جواب اس لئے دے گا کہ وہ درخواست دہندہ کی موجودگی میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے مفادات کے لئے خطرہ محسوس کرے گا۔ وہ سوچے گا کہ مولوی صاحب چھ دن دفتر میں ہمارے ساتھ کام کریں گے اور ساتویں دن شہر کی بڑی مسجد میں جمعہ کی نماز سے پہلے رشوت ستانی کے خلاف تقریر کریں گے۔ اور ہمارے پوشیدہ کاروبار کی نوعیت بلکہ اس کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ اور اگر قبلہ مولوی صاحب نے ایسے خدشات کی روک تھام کا یقین دلا دیا تو ملازمت مل جائے گی۔ لیکن دین کا تقدس خاک میں مل جائے گا۔ چند روز بعد ان میں اور اُن میں کچھ فرق باقی نہ رہے گا۔ البتہ عوام چلا اٹھیں گے کہ جب سے مولوی دفتر میں آئے ہیں حالات بد سے بدتر ہو گئے ہیں۔

معاف فرمائیں ہم مدارس عربیہ کی سند کے تسلیم کئے جانے کے خلاف نہیں بلکہ اس صورت حال کے خلاف ہیں کہ انگریزی عربی کو اہلیت کی سند دے۔ چاہئے تو یہ کہ سرکاری اداروں کے تعلیم اور تربیت یافتہ عربی مدارس کے فاضل علماء کرام سے اچھے کردار کی اسناد حاصل کریں۔ اس لئے کہ عربی مدارس کا نظام تعلیم اپنے مقاصد میں کامیاب ہے جب کہ سرکاری مدارس کا نظام کامیاب نہیں۔ " الف" اور " ب " دو معالج ہیں " الف " جس کا علاج کرتا ہے دوسرے روز اس کا جنازہ اٹھتا ہے اور " ب " کے علاج سے ایک نہیں ہزاروں شفایاب ہو چکے ہیں اور ہم " ب " کو مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ " الف " سے اس بات کی سند حاصل کرے کہ وہ اچھا معالج ہے۔ بات صاف اور واضح ہے کہ سرکاری نگرانی میں چلنے والا نظام تعلیم ناکام ہو چکا ہے بار بار کے تجربات۔ نصاب کی تبدیلی۔ کتابوں کے الٹ پھیر۔ اساتذہ کی تربیت اور ٹریننگ کے باوجود ہم ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکے۔ جب کہ عربی مدارس نے اپنے مقاصد میں (جو بھی ان کے مقاصد ہیں) نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ پچھلے دنوں ایک صاحب بیگم نسیم ولی اور بیگم نصرت بھٹو کے بارے میں فرما رہے تھے کہ ایک نے سیاست میں آ کر اپنے خاوند کو جیل سے نکلوا لیا اور دوسری نے اپنے سرتاج کو جیل بھجوا دیا ہے۔ یہ بات تو معمولی سی ہے۔ لیکن ہمارے سرکاری اور عربی مدارس کے ہر دو نظاموں کے تقابل کو خوب نمایاں کر دیتی ہے۔

عربی مدارس والوں نے ۱۸۵۷ء سے انگریزی اقتدار کے خلاف تحریک چلائے رکھی اور سرکاری مدارس کے ڈگری ہولڈروں نے انگریزوں کی ملازمت اور ان کی خدمت کو کامیابی کا راز جانا۔ وہ بغاوت کرتے مار یں کھاتے اور دار و رسن کے مراحل طے کرتے رہے اور یہ عہدے، جاگیریں اور خطاب حاصل کرتے رہے دونوں کا اپنی اپنی جگہ دعویٰ

تھا کہ ہماری راہ درست اور صحیح ہے منزل ہمیں ملے گی۔ لیکن ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو واضح ہوا کہ انگریز دوستی کی راہ از اول تا آخر غلط تھی۔ علی گڑھ والے ہزار خلوص کے باوجود غلط تھے اور دیوبند والے لاکھ سادگی اور جدید علوم سے ناواقفیت کے باوجود درست اور صحیح تھے۔

۱۹۴۷ء کے بعد پھر مقابلہ شروع ہوا اور ۱۹۷۷ء میں یہ راز کھلا کہ عربی مدارس والے قوت کا سرچشمہ ہیں۔ ان کے تعاون کے بغیر نہ تو پی ایچ ڈی کی سند کام آتی ہے نہ کارخانوں کی دولت اور جاگیرداری کی قوت کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔

عربی مدارس بے دست و پا ہیں۔ ان کی آمدن کا کوئی معقول ذریعہ نہیں۔ آمدن بجائے خود والدین اپنے اچھے اور ذہین بچوں کو بھی ان مدارس کی طرف جانے سے حتی الوسع روکتے ہیں۔ ان مدارس کے اساتذہ زمین پر سوتے۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے اور خیرات میں ملے ہوئے سوکھے ٹکڑوں سے پیٹ بھرتے ہیں۔ لیکن اپنے مقاصد میں سکولوں کے اساتذہ کالج کے پروفیسروں اور یونیورسٹیوں کے چانسلروں سے زیادہ باوقار زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان مدارس کی دو صد سالہ تاریخ شاہد ہے کہ کبھی کسی شاگرد نے اپنے استاد کے سامنے نظر نہیں اٹھائی۔ ادب اور احترام کا یہ عالم کہ استاد کی جوتیاں اٹھانے میں مقابلہ ہوتا ہے۔ آپ عربی مدارس کے ہزاروں بلکہ لاکھوں طالب علموں میں ایک بھی ایسا طالب علم پیش نہیں کر سکتے جو پس پشت اپنے استاد کا نام احترام سے نہ لیتا ہو جب کہ سرکاری سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے اور پڑھے ہوئے ننانوے فی صد اپنے استاد کے نام کے ساتھ صاحب کا لفظ بھی استعمال نہیں کرتے۔ آمنے سامنے ہوں تو سر یا جناب کہہ دیا جاتا ہے لیکن غیر موجودگی میں ماسٹر۔ پروفیسر وغیرہ کلمات ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اکثریت ایسے شاگردوں کی ہے جنہوں نے اپنے اساتذہ کے نام رکھے ہوئے ہیں۔

بات لمبی ہو گئی کہنا صرف یہ تھا کہ عربی مدارس کا نظام تعلیم اپنے مقاصد میں کامیاب ہے جب کہ سرکاری مدارس کا نظام باوجود بے انداز مصارف کے ناکام ہے۔ ان حالات میں عربی مدارس والوں نے سرکاری مدارس سے اہلیت کی اسناد حاصل نہیں کرنی۔ بلکہ سرکاری مدارس والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بھائیوں سے سبق سیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

عوامی چین نے چند سالوں میں اپنے مقاصد کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ بلکہ حیران کن حد تک ترقی اور کامیابی حاصل کی ہے۔ اس کامیابی میں راز کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ (چینی عوام) اپنا محاسبہ کرتے ہیں۔ اور جب کسی ایک پروگرام میں ناکام ہوتے ہیں تو ناکامی کے اسباب معلوم کرنے اور پھر پروگرام کو یکسر بدل دیتے ہیں۔ یعنی اس کا نظم و نسق اور قیادت بدل دیتے ہیں۔ چیئرمین ماؤ کا یہ دستور رہا ہے کہ جس " کمیون " میں پیداوار زیادہ ہوتی تھی تو وہ دوسری کمیون کے ذمہ داران سے کہا کرتا تھا کہ اس کمیون میں جا کر کام کرنا سیکھو۔ اور ہمارے ہاں یہ حال ہے کہ

سرکاری مدارس اپنے مقاصد میں ناکام ہیں لیکن تجویز یہ پیش کی جارہی ہے کہ ان ناکام مدارس کے ذمہ داران سے ہدایت حاصل کرکے عربی مدارس والے اپنا نصاب اور نصاب تعلیم مرتب کریں جب کہ عربی مدارس کی انتظامیہ نامساعد اور ناموافق حالات کے باوجود اپنے دائرۂ کار میں کامیاب ترین انتظامیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں ایک ایسے سرکاری کالج سے واقف ہوں جس میں ایف اے اور بی اے کی چار جماعتوں میں ایک سو سے کم طالب علم تھے ان میں سے سالانہ امتحان ہوا تو صرف تین طالب علم کامیاب ہوئے۔ اس کالج کے اساتذہ اور انتظامیہ پر حکومت ساٹھ ہزار روپیہ خرچ کرتی ہے جب کہ طلبا فیس دیتے ہیں۔ کتابیں۔ لباس۔ خوراک اور رہائش کے اخراجات ان کے والدین برداشت کرتے ہیں۔ گویا صرف اساتذہ اور انتظامیہ پر ہر سال تین لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ خرچ ہوتا ہے اس کے مقابلے میں کراچی کے ایک دینی مدرسہ میں جس میں پہلی جماعت سے ایم اے تک کی کلاسیں ہیں جدید تعلیم بھی ہے اور عربی مدارس کا درس نظامی بھی۔ طلبہ کی تعداد چار سو سے اوپر ہے۔ یہ سب مدرسہ ہی میں رہتے۔ ان کی خوراک۔ لباس۔ رہائش اور اسباب نوشت وخواند کا مدرسہ کفیل ہے اور پھر اساتذہ اور انتظامیہ کی تنخواہیں بھی ہیں لیکن سالانہ اخراجات تین لاکھ سے زائد نہیں۔

دیکھا آپ نے کالج اور مدرسے کا فرق۔ کالج میں طالب علم ایک سو سے کم اور سب کے سب گھر سے کھاتے اور والدین کی کفالت میں ہیں صرف چھ گھنٹوں کے لئے کالج آتے ہیں اور اخراجات ساڑھے تین لاکھ سالانہ سے زائد اور نتائج یہ کہ صرف تین طالب علم سند حاصل کرسکتے ہیں۔ دوسری طرف مدرسہ ہے کہ ایک سو نہیں چار سو طالب ہیں تمام اخراجات مدرسہ کے ذمہ۔ تعلیم دونوں طرح کی اور نتائج سو فیصد کے قریب اور اخراجات صرف تین لاکھ روپیہ سالانہ۔

یہ تو تھی انتظامی امور کی بات۔ اب آیئے ذرا نصاب پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔ ہمارے سرکاری مدارس میں جدید سے جدید تر نصاب رائج ہے جب کہ عربی مدارس کا نصاب وہی پرانا درس نظامی ہے۔

تجربات شاہد ہیں کہ اصل چیز کتابیں نہیں بلکہ استاد اور شاگرد کے تعلقات ہیں۔ استاد صحیح معنوں میں استاد ہو تو کتابوں کے ادل بدل سے نتائج میں چنداں فرق نہیں پڑتا۔ یہ درست ہے کہ ملک و قوم کو جس قسم کے فاضل جوانوں کی ضرورت ہو اسی قسم کے مضامین کی تدریس ضروری ہے۔ اگر ہمیں سائنس دانوں کی ضرورت ہے تو سائنس کی تدریس کا اہتمام از بس لازمی ہے لیکن سائنس کے لئے کتاب کونسی پڑھائی جائے۔ کس مصنف اور کس ادارے کی کتاب داخل نصاب ہو۔ اس سے چنداں فرق نہیں پڑتا۔ استاد قابل ہو اسے سائنس پر عبور ہو اور طلبا میں سائنس پڑھنے کی صلاحیت تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ " ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت " کے مصداق جو آتا ہے کتابوں میں ادل بدل کرتا ہے۔ فلاں مصنف کی کتاب ہو اور فلاں کی نہ ہو۔ فلاں کتاب میں فلاں مضمون یا باب پہلے ہو اور فلاں بعد میں۔ کتابیں فلاں ادارے کے شائع شدہ ہوں۔ کسی دوسرے کی نہیں۔ یہ اور اس قسم کی تبدیلیوں کو نصاب کی تبدیلی

کا نام دیا جاتا ہے ۔ جب کہ یہ سلسلہ ہی بے حقیقت اور لایعنی ہے ۔
جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ تعلیم کے مقاصد اور تدریس کے ماحول کی تبدیلی ہے ۔ ہمارے ہاں تعلیم کا مقصد ملازمت اور ملازمت کا مقصد اچھی تنخواہ ہے ۔ اگر ہم تعلیم کا مقصد ملازمت اور اچھی تنخواہ کا حصول بدل دیں ۔ تو پورے نظام تعلیم میں واقع اَسّی فی صد خرابیاں خود بخود دور ہو جائیں گی ۔ باقی رہا تعلیم کا ماحول اس کے بدل ڈالنے سے اخراجات برائے نام رہ جائیں گے ۔ اور بیس فی صد باقی ماندہ خرابیاں بھی دور ہو جائیں گی ۔ اور یوں ہمارا نظام تعلیم خرابیوں سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ قوم کے خزانے پر بوجھ بھی نہیں رہے گا ۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہم ملک کے سیاسی نظام کو اسلامی بنانے کے ساتھ ساتھ ملک کے تعلیمی نظام کو بھی اسلامی بنائیں ۔
اسلامی نظام میں پوری قوم ایک اکائی ہوتی ہے ۔ قوم کے افراد تقسیم کار کے اصول کے مطابق مختلف کام کرتے ہیں سرکاری ملازم اور آزاد کاروبار کرنے والے دونوں یکساں مراعات کے مستحق ہوتے ہیں ۔ اور جب کوئی شخص کام کرنے کے قابل نہیں رہتا تو اسے وظیفہ یا پنشن دی جاتی ہے ۔ یہ نہیں کہ سرکاری ملازم کا علاج مفت ہو اور ۲۵ سال ملازمت کرنے کے بعد اسے پنشن بھی ملے اور آزاد کام کرنے والوں کا نہ علاج مفت ہو نہ ان کے بچوں کو مراعات حاصل ہوں اور نہ انہیں پنشن کا حق حاصل ہو ۔ اب ملک میں تقسیم کار یہ اسلامی اصول رائج کریں ۔ ہر کارکن کو محض کارکن ہونے کی حیثیت سے مراعات کا مستحق سمجھیں ۔ کسی دفتر کا چپڑاسی ہو یا انچارج دونوں کو معاشرے کے مفید کارکن تصور کریں ۔ کارخانے کا مزدور ہو یا وزارت کی کرسی کا مالک دونوں کو معاشرے کا دست و بازو خیال کریں ۔ اور پھر دونوں کو ان کی ضروریات کا خیال کرتے ہوئے بیت المال سے وظیفہ دیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اعلیٰ تعلیم زیادہ تنخواہ کا باعث نہیں رہے گی ۔ لوگ صرف اور صرف عزت اور ذہنی سکون کے لئے تعلیم حاصل کریں گے ۔ اور جب تعلیم کا مقصد عزت اور ذہنی سکون ہوگا تو نقل ، چوری ، سفارش اور اسناد کے حصول کے دوسرے تمام ناجائز طریقے خود بخود ختم ہو جائیں گے ۔
ہمیں سرمایہ دارانہ نظام کے حامیوں نے ایک بات سکھائی ہے اور وہ یہ کہ انسان صرف اور صرف مالی مفادات کے حصول ہی کے لئے کام کرتا ہے ۔ اس غلط سوچ کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم نے بچوں اور جوانوں کو یہ تاثر دیا کہ زیادہ محنت کر کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرو گے تو زیادہ پیسے ملیں گے ۔ گویا روز اول سے ہمارے طالب علم کا مقصد پیسے اور دولت بن گیا ہے ۔ چونکہ دولت کا حصول اعلیٰ تعلیم سے وابستہ سمجھ لیا گیا ہے اس لئے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور جب ایک شخص اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کر سکتا تو وہ غلط راہوں سے آگے بڑھ کر اعلیٰ تعلیم کی سند حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تعلیم نہ پہلے حصولِ دولت کا ذریعہ تھی اور نہ اب ہے ۔ ہم اپنے ارد گرد نگاہ ڈالیں تو بے شمار جاہل صاحب دولت نظر آئیں گے ۔ جن کے ڈیروں پر اہلِ علم ادنیٰ ملازموں کی حیثیت سے

کام کرتے ہیں ہم نے خواہ مخواہ تعلیم کا مقصد دولت قرار دے کر یہاں حقائق کے منہ پر تھوکا ہے وہاں علم کی توہین بھی کی ہے۔ دینی تعلیم ہو یا دنیاوی، ان میں سے ایک بھی حصول دولت کا ذریعہ نہیں۔ تعلیم یافتہ ہر دور میں مال و دولت کے اعتبار سے محتاج ہی رہے ہیں جب حقیقت یہ ہے کہ تعلیم دولت حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں تو ہمیں اپنے نظام تعلیم کی اصلاح کے لئے جو کام سب سے پہلے کرنا ہے وہ یہ ہے کہ طالب علموں کے ذہنوں سے تعلیم کے مقصد کے بارے میں غلط تصورات نکالے جائیں اور انہیں احساس دلایا جائے کہ تعلیم بذاتِ خود ایک عظیم مقصد ہے۔ نیز تعلیم کا اگر کوئی مقصد ہو سکتا ہے تو وہ حقائق کا ادراک اور شعور ہے۔ تعلیم حاصل کرنے سے انسان عزت تو حاصل کر سکتا ہے لیکن دولت نہیں۔

مشکل ترین کام یہی ہے کہ ہم تعلیم کے مقصد کے بارے میں اپنے اور اپنے تلامذہ کے خیالات کی اصلاح کریں۔ یہ کام اس وقت تک مشکل ہی رہے گا جس وقت تک زندگی اور معاشرے کا پورا نظام اسلام کے فطرتی اصولوں پر استوار نہیں ہو جاتا۔ ممکن ہے کوئی صاحب کہہ دیں کہ پہلے نظام تعلیم میں اصلاح ہو گی۔ پھر اصلاح یافتہ نظام تعلیم سے استفادہ کرنے والے نوجوان نظم مملکت کی باگ ڈور سنبھالیں گے تب ہمارے دوسرے نظاموں میں اصلاح ہو سکے گی۔ گویا پہلے بُرے انسان اچھے انسان تیار کریں گے اور پھر یہ اچھے انسان برے انسانوں کی اصلاح فرمائیں گے ایسی سوچ ان لوگوں کی ہے جو یا تو اصلاح چاہتے نہیں اور ان کا نفس انہیں اس قسم کی باتیں سمجھاتا رہتا ہے اور یا یہ لوگ عمرانیات کے اصولوں اور ریاضی کے اصولوں میں امتیاز نہیں کر پائے معاشرے کی اصلاح کا تعلق علم عمرانیات سے ہے۔ اور عمرانیات کے اصول ہر حال میں اور ہر زمانے میں یکساں نتائج کے حامل نہیں ہوا کرتے۔ ہم سب خواہ ہمارا تعلق براہ راست تعلیم سے ہے یا کسی دوسرے شعبے سے ہے۔ ہم تاجر ہیں یا کاشتکار۔ مزدور ہیں۔ یا ملازم۔ فوج میں کام کرتے ہیں یا کسی پرائیویٹ ادارے میں بغرض ہم کام اور پیشے کے لحاظ سے کچھ بھی ہیں۔ ہم سب یہ بات محسوس کرتے ہیں کہ جس معاشرے میں ہم جی رہے ہیں یہ معاشرہ صحیح نہیں۔ یہ معاشرہ اصلاح ہی نہیں انقلاب چاہتا ہے یہ معاشرہ اسی لائق ہے کہ اسے بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا معاشرہ قائم کیا جائے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم اس غلط اور ناہنجار معاشرے کے خلاف ہیں تو پھر اسے ختم کیوں نہیں کر دیتے۔ سو عرض ہے کہ اس معاشرے میں مٹھی بھر افراد ایسے ہیں جن کا فائدہ اسی لوٹ کھسوٹ کے نظام سے وابستہ ہے۔ یہ لوگ چہرے بدل بدل کر اقتدار کی مسند پر آتے اور ہم سب کی مرضی کے خلاف اس موجودہ معاشرے کو سہارا دئے ہوئے ہیں۔

میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ جو لوگ ہمارے عربی مدارس کے ارباب بست و کشاد سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ یہ لوگ اپنے نظام یا نصابِ تعلیم کو بدل دیں ان کا مقصد ہمارے اس احساس کو ختم کرنا یا اس کی شدت کو کم کرنا ہے کہ موجودہ

معاشرہ یکسر بدل دینے کے لائق ہے۔ جب ہمارے عربی مدارس کا نصاب سرکاری نصاب کے مطابق بدل جائے گا اور ہمارے مدارس کی اسناد کی وہی قدر وقیمت ہوگی جو سرکاری مدارس کی اسناد کی ہے۔ اس وقت ہمارے عربی مدارس کے طلبہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد سرکاری ملازمتوں میں چلے جائیں گے۔ اور ملازمت کی پہلی شرط یہ ہے کہ سیاسی بات نہیں کرنی۔ سیاسی سوچ سے ذہن کو خالی رکھنا ہے اور جب ہمارے عربی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات بھی غیر سیاسی بن جائیں گے تو پھر کون ہوگا جو معاشرے میں تبدیلی یا انقلاب کا نام لے گا یوں سمجھئے کہ جو اصحاب اقتدار موجودہ معاشرے سے مستفید ہو رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ کوئی صورت ایسی پیدا کی جائے کہ عربی مدارس سے فارغ ہونے والے بھی سیاست کا نام نہ لے سکیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ سرکاری مدارس میں علم سیاست کو بطور نصاب پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے۔ لیکن ان مدارس کی سند حاصل کرنے کے بعد انسان ملازمت میں جاکر غیر سیاسی بن جاتا ہے اور عربی مدارس جن میں سیاست کے موضوع پر کوئی کتاب یا رسالہ نہیں پڑھایا جاتا۔ یہاں سے سیاست دان پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے سیاست دان جو اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے برطانوی سرکار اور بعد میں سامراجی اور مغربی اقوام کی گماشتہ حکومتوں کے لئے وجہ پریشانی بنتے رہے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ نصاب کی تبدیلی سے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ حصول مقصد کے لئے ہمیں ایک تو تعلیم کا ماحول بدلنا ہوگا یعنی سرکاری مدارس کے ماحول کو عربی مدارس کے ماحول کے قریب تر لانا ہوگا اور دوسرے تعلیم کے مقصد کے بارے میں اپنے اور اپنے تلامذہ کے ذہنوں کو صاف کرنا ہوگا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس تبدیلی کے آغاز کی کیا صورت ہوگی۔ پہل کون کرے گا۔ اگر سرکاری نظام تعلیم کے حامیوں نے پہل کی تو گویا عربی مدارس کے نظام کو بدلا جائے گا اور اگر عربی مدارس والوں نے پہل کی تو سرکاری مدارس کے حامیوں کی سوچ کی تبدیلی کے امکانات روشن ہوسکیں گے۔ لہٰذا میں تجویز کے طور پر عرض کروں گا کہ وفاق المدارس کے تحت کسی ایک مدرسے میں علوم جدیدہ کی ایک کلاس شروع کی جائے۔ تین چار سال تک تدریس کا کام کرنے کے بعد ارباب بست وکشاد کو دعوت دی جائے کہ وہ اپنے معیار پر ہمارے تیار کئے ہوئے طالب علموں کا امتحان لیں اور جب یہ طالب علم امتحان میں سرکاری یونیورسٹیوں کے طلبہ کے معیار پر پورے اتریں تو ہم عرض ومعروضات کے ذریعے اس کے بعد اخبارات اور عوام کی تائید اور حمایت کے ساتھ اور اس کا بھی اثر نہ ہو تو اعلیٰ عدالتوں کے ذریعے ارباب بست وکشاد سے مطالبہ کریں اور انہیں مجبور کریں کہ وہ عربی مدارس کے نظام تعلیم کی فوقیت اور اہلیت کو تسلیم کرکے یہی نظام تعلیم ملک میں رائج کریں ۔۔۔ چونکہ ہمارا تجربہ کم وقت اور کم مصارف کا حامل ہوگا اس لئے ہم عدالت میں یہ موقف اختیار کر سکیں گے کہ جو کام کم وقت اور کم اخراجات میں پورا ہوسکتا ہے ہمارے حکمران یا سرکاری ملازم اس کام کے لئے زیادہ وقت خرچ کرکے قومی نقصان کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوری

اکابر علماء دیوبند کا اتباع سنت

اللہ جل شانہٗ کا پاک ارشاد ہے " قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ
اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنالے گا۔

دُر منثور میں کثرت سے روایات ذکر کی گئی ہیں کہ بہت سے لوگوں نے یہ دعوٰی کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ جل شانہٗ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو اپنی محبت کے لئے علامت قرار دیا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لے کر آیا ہوں"

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اسی آیت کی تفسیر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ میرا اتباع کرو نیک کاموں میں وہ تقوٰی ہیں، تواضع ہیں اور اپنے نفس کو ذلیل سمجھنے میں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت اتباع سنت ہے

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " میں نہ پاؤں کسی کو اپنی مسند پر ٹیک لگائے ہوئے، اُس کے پاس میرے اوامر میں سے کوئی امر آئے یا نواہی میں سے کوئی نہی آئے اور وہ کہے کہ ہم نہیں جانتے، جو قرآن میں ہمیں ملے گا اسی پر عمل کریں گے"

مشکوٰۃ میں مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ " مجھے قرآن دیا گیا ہے اور قرآن ہی کے برابر دوسری چیزیں (یعنی سنت)۔ قریب ہے کہ کوئی آدمی پیٹ بھرا اپنی مسند پر ٹیک لگائے ہوئے یہ کہے کہ تم لوگ صرف قرآن ہی کو لو، جو اس میں حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور

جو حرام پاؤ اس کو حرام سمجھو" حالاں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا ہے وہ ویسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے (یعنی جس چیز کی حرمت یا حلت حدیث سے ثابت ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے قرآن سے ثابت ہو) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "پیٹ بھرا" کا لفظ اس وجہ سے ارشاد فرمایا کہ اس قسم کی خرافات جب ہی سوجھتی ہیں جب لذائذ میں آدمی ہو۔ فقر و فاقہ اور تنگ دستی میں یہ حماقتیں نہیں سوجھتیں۔ دوسری حدیث پاک میں عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مضمون نقل کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "تم میں سے کوئی شخص اپنے گاؤ تکیہ پہ کمر لگائے یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بجز اس کے جو قرآن پاک میں ہے حرام نہیں کی۔ خبردار! خدا کی قسم، میں نے بھی کچھ چیزوں کا حکم دیا ہے اور نصیحت کی ہے اور بہت سی چیزوں سے روکا ہے۔ وہ بھی قرآن کے مقدار میں ہے، بلکہ زیادہ ہی ہے"

اس حدیث میں "گاؤ تکیہ پہ کمر لگانے" کا مطلب وہی ہے جو پہلی میں "پیٹ بھرے" کا تھا کہ ایسی حماقتیں ثروت ہی میں سوجھتی ہیں جب تنعم بہت بڑھ گیا ہو۔ جیسا کہ متکبرین و متجبرین کی عادت ہے جن کا دین کے معاملات میں اہتمام بہت کم ہوتا ہے۔ اپنے گھر میں تنعم میں پڑے رہتے ہیں، علم کے سیکھنے سکھانے سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔

حضرت عرباضؓ ہی سے ایک اور حدیث نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر بڑا بلیغ وعظ فرمایا کہ جس سے آنکھیں بہہ پڑیں۔ قلوب دہل گئے۔ ایک آدمی نے کہا کہ "یا رسول اللہؐ! یہ تو جیسے رخصتی وعظ ہو، لہذا کوئی نصیحت ہمیں فرمائیے" تو آپؐ نے فرمایا کہ "..... میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور دین میں نئی باتوں سے بچو۔ کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد چھوڑ دی گئی تھی تو اس کو اتنا اجر ملے گا جتنا عمل کرنے والوں کو ملے گا اور ان کے اجروں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور جو کوئی دین میں نئی چیز پیدا کرے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو ناپسند ہے تو اس کو عمل کرنے والوں کے برابر گناہ ملے گا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت کے ساتھ ہے۔ جو جماعت سے نکلے گا جہنم میں جائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جس نے میری سنت سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا ہے۔ کہ جو کوئی میری سنت پر عمل کرے میری امت کے فساد کے وقت تو اس کو سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔ نیز ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میرے اتباع بغیر چارہ نہ ہوتا۔

موطا امام مالکؒ میں حدیث مرسل نقل کی گئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک ان کو مضبوط پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے کتاب اللہ اور سنت۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "جو کسی بدعتی کی تعظیم کرے تو اس نے گویا اسلام کے منہدم کرنے پر اعانت کی" یہ چند احادیث مشکوٰۃ شریف سے اتباعِ سنت کے اہتمام میں نقل کی ہیں۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہمارے اکابر فرمایا کرتے تھے کہ سنت کو پختہ پکڑنا نجات ہے اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ سنت مثل کشتی نوح علیہ السلام کے ہے جو اس میں بیٹھ گیا وہ بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ غرق ہو گیا (العبودیہ صد ۵۴)

اصل چیز اتباعِ سنت ہے اور جس کو پرکھنا ہو اسی معیار پر پرکھا جائے گا۔ جو شخص اتباعِ سنت کا جتنا زیادہ اہتمام کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب و مقرب ہوگا۔ روشن دماغی چاہے اس کے پاس کو بھی نہ آئی ہو۔ اور جو شخص اتباعِ سنت سے جتنا دور ہے اللہ تعالیٰ سے بھی اتنا ہی دور ہے چاہے وہ مفکرِ اسلام۔ مفکرِ دنیا، مفکرِ سمٰوات بن جائے۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ نے فتاویٰ صـ۱۱ میں فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت کو مضبوطی سے پکڑیں۔ ان میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ جو اس کے دل میں آئے اس پر بغیر کتاب و سنت کی موافقت کے عمل کرے۔ اور یہ قاعدہ کلیہ جس پر جملہ اولیاء اللہ متفق ہیں۔ جو اس کے خلاف کرے وہ اولیاء اللہ میں سے نہیں ہو گا بلکہ یا تو کافر ہوگا یا جاہل۔ اور یہ بات مشائخ کے کلام میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ چنانچہ شیخ ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ میرے قلب میں بعض صوفیانہ رموز وارد ہوتے ہیں۔ مگر میں انہیں بغیر دو گواہ (کتاب و سنت) کے قبول نہیں کرتا۔ اور حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ علم (تصوف) قرآن اور سنت کے ساتھ مربوط ہے جس نے قرآن و حدیث نہ پڑھا ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ ہمارے علم میں کلام کرے۔

حضرت ابو عثمان نیشاپوری فرماتے ہیں کہ جس نے سنت کو اپنے قول و فعل میں حاکم بنالیا اس کا کلام حکمت ہو گا اور جس نے خواہشات نفس کو حاکم بنایا وہ بدعت میں مبتلا ہو گا۔ اس لئے قرآن پاک کا ارشاد ہے وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا یعنی رسول کا اتباع کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ اور ابن نجید فرماتے ہیں" ہر وہ حال جس پر کتاب و سنت کی شہادت نہ ہو وہ باطل ہے" دوسری جگہ صـ ۵۸۵ میں فرماتے ہیں کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ عمل جب تک خالص اور صواب نہ ہو قابلِ قبول نہیں۔ خالص کا تو مطلب یہ ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور صواب کا مطلب یہ ہے کہ سنت کے موافق ہو۔ حضرت سلیمان دارانی نے فرمایا ہے کہ جس کے دل میں کوئی خیر کی بات آئے اسے اس وقت تک اس پر عمل نہیں کرنا چاہئے۔ جب تک کہ اس کے لئے کوئی اثر نہ مل جائے۔ اس سلسلہ میں جب کوئی اثر سن لے تو نور علیٰ نور ہے۔ حضرت سہل تستریؒ کا ارشاد ہے کہ" ہر وہ عمل جو بدعت پر ہو گا وہ نفس پر عذاب ہے اور جو عمل اکابر کی اقتدا بغیر ہو گا وہ نفس کا دھوکا ہے"

اس بارے میں بہت کثرت سے اقوال شیخ الاسلامؒ نے بھی نقل کئے ہیں اور دوسرے حضرات نے بھی کہ جو عمل اتباع سنّت کے بغیر ہوگا وہ گمراہی ہے۔

اب ذرا ہٹ دھرمی اور عناد سے ہٹ کر اکابر دیوبند کا اہتمامِ سنّت پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔ کہ اتباعِ سنّت کا اہتمام اس گروہ میں کتنا رہا۔ اس کے واقعات تو اکابر کی سوانحوں میں لاتعد و لاتحصی ملیں گے۔ ان کا احصار تو اس رسالہ میں بہت مشکل ہے۔ بلکہ ضخیم کتابوں میں بھی مشکل ہے۔ مسجد سے نکلتے وقت بایاں پاؤں نکالنا سنّت ہے اور دائیں پاؤں میں پہلے جوتا پہننا سنّت ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ | حضرت گنگوہی قدس سرہ کے معمولات میں سینکڑوں جگہ لکھا ہے اور میرا خود بھی مشاہدہ ہے۔ کہ حضرت قدس سرہٗ جب مسجد سے نکلتے تو پہلے بایاں پاؤں نکال کر جوتے یا کھڑاؤں پر رکھتے پھر دایاں پاؤں نکال کر پہلے اس میں جوتا یا کھڑاؤں پہنتے۔ پھر بائیں پاؤں میں جو پہلے سے جوتے پر رکھا ہوتا پہنتے۔ ایک شخص آئے، قصہ تو لمبا ہے۔ حضرت قدس سرہٗ اس وقت استنجا گئے ہوئے تھے۔ حضرت کے آنے پر کہا جناب آداب۔ حضرت نے غصہ میں فرمایا یہ کون بے ادب ہے۔ جس کو شریعت کا ایک ادب بھی معلوم نہیں۔ ایک مرتبہ ایک صاحب آئے اور بولے حضرت سلامت۔ آپ کے چہرہ پر غصہ کا اثر ظاہر ہو گیا اور فرمایا۔ مسلمانوں والا اسلام چاہئے۔ یہ کون ہے حضرت سلامت والا

تذکرۃ الرشید صہ ۴۹

حضرت کے وصیت نامہ میں بہت زور سے لکھا ہے۔" اپنی زوجہ، اپنی اولاد اور سب دوستوں کو بتاکید وصیت کرتا ہوں کہ اتباع سنّت کو بہت ضروری جان کر شرع کے موافق عمل کریں۔ تھوڑی مخالفت کو بہت سخت دشمن اپنا جانیں"

شیخ الہند مولانا محمود حسن | حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کا معمول تھا کہ وتر وں کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے تھے۔ کسی شاگرد نے عرض کیا حضرت بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب تو آدھا ہے۔ حضرت نے فرمایا ہاں بھائی یہ تو مجھے بھی معلوم ہے مگر بیٹھ کر پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

حیات شیخ الہندؒ صہ ۱۶۱ میں لکھا ہے کہ کوئی قول و فعل خلافِ شریعت ہونا تو درکنار، مدتوں خدمت میں رہنے والے خادم بھی یہ نہیں بتلا سکتے کہ کوئی ادنیٰ سا فعل بھی آپ سے خلافِ سنت سرزد ہوا۔ دن ہو یا رات، صحت ہو یا مرض، سفر ہو یا حضر، خلوت ہو یا جلوت۔ ہر حالت میں حضرت کو اتباعِ سنّت کا خیال تھا۔ خود بھی عمل کرتے اور اپنے متبعین متوسلین کو بھی قولاً و عملاً اسی کی ترغیب دیتے اور رفتہ رفتہ عمل بالسنۃ حضرت کے لئے ایک امر طبعی ہو گیا تھا جس میں کسی تکلف و تحریک کی ضرورت ہی نہ تھی۔ نہایت سہولت و متانت سے سنن و مستحبات کو ملحوظ رکھتے تھے مگر یہ نہیں کہ ہر وقت ہر ہر فعل پر حاضرین کے جتلانے یا ان سے داد لینے کے لئے حدیث پڑھ کر سنائیں یا عمل کریں۔ نیا پھل کسی نے پیش کیا تو خوشبو سونگھی۔ آنکھوں سے لگایا پھر کسی بچہ کو پکارا اور اس کو دے دیا۔ اور کبھی کبھی یہ دیکھنے

کے حیلہ سے کہ بارش ختم ہوگئی یا نہیں دو چار قطرے سر اور جسم پر پے کر حدیث عہد بربی کا لطف اٹھالیا۔ ایک روز احقر (مولانا میاں اصغر حسین صاحب) کی عیادت کو تشریف لائے اور صرف مصافحہ کر کے واپس ہونے لگے میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو بھی آج ہی حدیث پر عمل کرنا تھا۔ تبسم فرما کر فوراً پڑھ دیا " العیادۃ فواق ناقۃ "۔ اسی میں صفحہ ۱۵۸ پر لکھا ہے۔ کہ مالٹا کی حراست کے زمانہ میں اگر یہ مسافر پر قربانی نہیں اور قیدی پر تو ذبح کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی مگر حضرت کا معمول ہندوستان میں کئی کئی قربانیاں کرنے کا تھا۔ یہ جذبہ حضرت کو پیش آیا اور محافظان جیل کو اطلاع دی کہ ہمیں قربانی کی اجازت دی جائے اور جانور مہیا کیا جائے۔ دل کی نکلی ہوئی بات اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ محافظوں پر اثر ہوا اور ایک دنبہ سات گنی میں خرید کر دیا جس کی قیمت حضرت نے بہت طیب خاطر سے ادا کی اور اس دار الکفر میں جہاں زوال سلطنت اسلامیہ کے بعد کبھی اس سنت ابراہیمیؑ کے ادا ہونے کی نوبت نہ آئی ہوگی۔ دسویں ذی الحجہ کو بلند آواز سے تکبیر کہہ کر قربانی کر کے واضح کر دیا کہ عزیمت ہو تو زندان میں مستحبات بھی ادا ہو سکتے ہیں۔

حدیث پاک میں سرکہ کے متعلق آیا ہے کہ بہترین سالن ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ہاں جب بھی دسترخوان پر سرکہ ہوتا تو سب چیزوں سے زیادہ اس کی طرف رغبت فرماتے۔ اور کبھی گھونٹ بھی بھر لیتے۔ ایک مرتبہ بدن پر پھنسیاں وغیرہ نکل آئیں۔ اطبا نے سرکہ کو منع فرما دیا۔ پھر بھی حضرت سرکہ نوش فرما ہی لیتے۔ حضرتؒ نے اپنی چاروں صاحبزادیوں کی شادی اپنے استاد حضرت نانوتویؒ کے طرز پر ایسی ہی سادگی اور اتباع سنت سے کی جو حضرت جیسے محدث اعظم اور [illegible] سنت کے شایان شان تھی۔ کبھی جامع مسجد میں نماز کے بعد اعلان کر کے داماد کو بٹھا کر نکاح پڑھ دیا۔ کبھی مدرسہ میں علماء اور طلباء کے مجمع میں بطریق مسنون عقد کر دیا اور معمولی کپڑے پہنا کر معمولی ڈولی میں بٹھا کر رخصت کر دیا۔

(حیات شیخ الہند ص ۲۰۵)

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی | حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے اتباع سنت کے واقعات اس قدر مشہور اور زبان زد ہیں کہ ان سب کا لکھوانا تو بہت مشکل ہے اور اس کے دیکھنے والے ابھی تک بہت موجود ہیں۔ اس ناکارہ نے اپنے اکابر میں اخیر شب میں رات کو گڑگڑاتے ہوئے رونے والا دو کو دیکھا۔ ایک اپنے والد صاحبؒ کو اور دوسرے حضرت شیخ الاسلام کو۔ ایسی ہچکیاں اور سسکیاں لیتے تھے جیسے کوئی بچہ پٹ رہا ہو۔ قاری اصغر میاں صاحب مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی لکھتے ہیں کہ :-

" تہجد میں اول دو رکعتیں مختصر پڑھنے اور اس کے بعد دو رکعتیں طویل جن میں ڈیڑھ دو پارے قرات فرماتے۔ تہجد کی قرات قدرے جہر سے ادا فرماتے۔ پاس بیٹھا ہوا آدمی غور سے سنے تو پوری قرات سن سکے۔ قرات کرتے وقت اس قدر خشوع اتنا گریہ، سینہ مبارک سے ایسے کھولتے ہوئے گرم سانس، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت احادیث

میں ذکر کی گئی ہے۔

" کان یصلی ولجوفہ ازیز کازیز المرجل من البکاء"

آپ نماز ایسی پڑھا کرتے تھے کہ آپ کے اندرون سے رونے کی وجہ سے ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز کی طرح سے آواز آتی تھی ـــــ وہ منظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر پہلے دعا مانگتے پھر مصلے پر استغفار کرنے کے لئے بیٹھ جاتے تسبیح ہاتھ میں ہوتی۔ جیب میں سے رومال نکال کر آگے رکھ لیتے۔ اگالدان قریب رکھ لیا کرتے۔ اس وقت رونے کا جو منظر بارہا دیکھنے میں آیا ہے وہ کسی اور وقت نہیں آیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں مسلسل جاری رومال سے صاف کرتے جاتے اور استغفر اللہ الذی لاالہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ جھوم جھوم کر پڑھتے جاتے۔ کبھی کبھی اور بھی کلمات پڑھتے بعض اوقات اسی کرب و بے چینی کے عالم میں فارسی یا اردو کا کوئی شعر بھی پڑھا کرتے فجر کی نماز تک یہی معمول رہتا" (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص۸)

اس ناکارہ زکریا نے پوربی ہندی کے دوسرے اس وقت میں بہت سے مفتی مہدی حسن صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"عبادت خداوندی کا یہ ذوق کہ شدید مرض کی حالت میں بھی نماز فجر میں طوال مفصل ہی پڑھا کرتے تھے۔ سنت کی شیدائیت اتنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ جن امور کو ادنیٰ تعلق بعیت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو ان پر عمل کرتے تھے۔ دنیا کو حیرت ہوگی کہ دارالعلوم کے چمن میں کیکر کا درخت لگوایا۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ اس درخت سے کیا فائدہ ؟ نہ اس میں پھول نہ پھل۔ نہ اس سے خوشنمائی نہ یہ زینت چمن، پھر کیوں لگوایا؟ تحقیق سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے بیعت لی تھی جو "بیعت رضوان" کے نام سے زبان زد خاص و عام ہے، یہ درخت اس کی یادگار ہے"۔

(الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص۵)

بذل کی تحریر کے وقت جب نظائر والی حدیث ابو داؤد میں آئی جس کی ترتیب مصحف عثمانی کے خلاف ہے تو میرے حضرت قدس سرہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اس حدیث کو ایک پرچہ پر نقل کر دو اور مجھے دے دو آج تہجد اسی پر پڑھیں گے۔ یہ حضرات سنت کے شوق میں ثواب کی کمی کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ میرے والد صاحبؒ کا مشہور مقولہ تھا کہ سنت کے موافق پاخانہ کو جانا خلاف سنت نفلیں پڑھنے سے افضل ہے۔

جنگِ آزادی کے عظیم اور یادگار تحریک ریشمی رومال کے آخری بزرگ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی کے محبوب و محبّ تلمیذ رشید حضرت مولانا عزیز گل صاحب کاکاخیل اسیر مالٹا کے احوال و سوانح پر الحق میں اہم مواد شائع ہوتا رہا ہے اور قارئین جو اس بقیۃ السلف مجاہد کے حالات سے واقف ہیں۔ مدظلہ کی دوسری شادی ایک نومسلم انگریز خاتون مس جینی سے ہوئی جن کا نام نامی بعد میں ہم سب کی زبان پر مدَر بی بی کہلایا۔ یہ پاکباز خاتون اخلاص وللہیت علمی شغل وانہماک قرآن کریم سے تعلق کا ایک تابناک مثالی کردار چھوڑ کر گئیں۔ مرحومہ نے اپنی ایک انگریزی تصنیف دی بیلنسڈ وے (صراطِ مستقیم) میں اسلام کی طرف آنے سے پہلے کی زندگی اور بعد کے حالات تفصیل سے لکھے تھے۔ کتاب چالیس سال پہلے ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی تھی اب الفرقان لکھنؤ نے حیدرآباد دکن سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ قرطاس وقلم کے حوالہ سے مذکورہ کتاب سے اخذ کرکے ذیل کے مضمون کی شکل میں شائع کئے ہیں جسے ہم نذرِ ناظرین کر رہے ہیں (ادارہ)

میں اپنے والد چارلس ایڈورڈ اسٹیفورڈ اسٹیل کی ساتویں لڑکی ہوں میں ۱۸۸۵ء میں حیدرآباد سندھ میں پیدا ہوئی۔ میرے والد بڑے انصاف پسند اور بات کے پکے انسان تھے۔ انہیں ہندوستان اور ہندوستانی لوگوں سے بڑا لگاؤ تھا کبھی کبھی تو وہ خود کو سندھی کہہ دیا کرتے تھے۔ ہماری خاندانی نسبتیں بڑی عظیم تھیں مگر ہمارے والد کا کہنا تھا کہ شرافت کا معیار کردار ہے نہ کہ خون۔ بہرحال میں چھ سال کی رہی ہوں گی کہ مجھے تعلیم کے لئے انگلستان بھیج دیا گیا۔ مجھے سچی بات سے ہمیشہ سے پیار رہا۔ میں ہر بات کا سبب کھوجنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ میرے دوست احباب مجھے شفقت سے

کیونکہ میں ہر بات میں کیا، کیوں اور کیسے جیسے سوال کرنے کی عادی تھی۔

میں ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئی تھی۔ مگر سب عیسائی متحد نہ تھے۔ عیسائیوں کے بہت سے فرقے تھے جو ایک دوسرے کو جہنمی کہتے تھے۔ اس لئے عیسائی مذہب مجھے گورکھ دھندا سا لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے کیسے ہو سکتے تھے۔ مگر مجھے دعا سے بڑا شغف تھا اور میں اکثر ان دیکھے مالک سے لو لگا کر دعائیں کرتی رہتی تھی۔ جب میں جوان ہوگئی تو میں نے بائبل کو تنقیدی نظر سے پڑھنا شروع کیا۔ مجھے بائبل کے بہت سے بیانات ایک دوسرے سے ٹکراتے محسوس ہوئے۔ مجھے بائبل کے کلام خدا ہونے میں شک ہونے لگا۔

کچھ عرصہ بعد میری شادی ہوگئی۔ مگر میرے شوہر ایک دنیا دار عیسائی تھے۔ وہ میرے فکر و خیال کے ساتھی نہ بن سکے۔ اس لئے میں نے فرصت کے وقت فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا اور اسپنسر، ہکسلے اور دوسرے فلاسفہ کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ مگر ان خیالی بھول بھلیوں سے مجھے کچھ نہ ملا۔

انہیں دنوں میں اپنے والد کے پاس ہندوستان آئی۔ میری بارہ سالہ لڑکی اور دس سالہ لڑکا میرے ساتھ تھے۔ یہاں مجھے ویدانت پڑھنے کا موقع ملا۔ مجھے اس کے پڑھنے سے بڑی تسکین ملی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ چیز مل گئی جس کی مجھے تلاش تھی۔ ویدانت کے مطالعے نے مجھے ہندو دھرم کے قریب کر دیا۔ کچھ عرصہ کے لئے ایک ہندو خانقاہ میں مہمان بن کر رہی اور بالآخر ہندو ہوگئی۔ مجھے راما کرشن کے ویدانتی سلسلے میں داخل کر لیا گیا۔ مگر مجھے یہ شرک سا محسوس ہوا۔ چنانچہ میرا یقین ہل گیا۔ مجھے افسوس ہوا کہ حقیقت ابھی اور آگے ہے۔ اسی زمانے میں میں بیمار ہوگئی۔ مجھے علاج کے لئے فرانس جانا پڑا۔ وہاں میرے سات اپریشن ہوئے۔ ہر اپریشن پر موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ میں موت کے لئے تیاری کروں۔ میں نے سوچا کہ دنیا ترک کر دوں اور آخرت کی تیاری میں لگ جاؤں۔ لہٰذا میں واپس جب ہندوستان آئی تو میں نے سنیاس لے لیا۔ میں نے ایک سو ساٹھ اپنشد پڑھے۔ لیکن یہ کیا... یہاں بھی بائبل کی طرح ان گنت تضاد تھے۔ ان میں کونسی بات حق ہے اور کونسی غلط ہے، یہ کیسے معلوم ہو۔ میں ایک بار پھر الجھ گئی۔ مجھے خوف ہو گیا کہ اسی ذہنی الجھن میں کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔ مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ سنیاس سے میری روحانیت نہیں بڑھ رہی ہے۔ نفسیاتی کشمکش بڑھ رہی تھی۔

اسی زمانہ میں ہندوستان میں عدم تعاون کی تحریک چل پڑی۔ ہندوستانی ہندوستانیوں سے لڑ پڑے۔ الموڑہ بھی فسادات سے بچا نہ رہا۔ اس وقت میرے دل نے کہا کہ یہ خانقاہ میں بیٹھ کر دھیان گیان کا وقت نہیں ہے۔ بلکہ باہر نکل کر زخمیوں اور دکھیوں کی مدد کرنے کا وقت ہے۔ میں نے اپنے گرو جی سے یہ بات کہی۔ مگر انہوں نے کہا کہ ہم لوگ دنیا دار نہیں ہیں۔ تم جن باتوں کے کرنے کو کہہ رہی ہو، یہ سیاست کی باتیں ہیں ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔ مجھے ان کے سوچنے کے اس انداز پر حیرت ہوئی۔ میں انہیں تو خانقاہ چھوڑ کر زخمیوں کی مدد پر آمادہ نہ کر سکی

مگر میں خود خانقاہ سے نکل آئی۔ اور میں نے زخمیوں، مریضوں اور دکھیوں کی امداد کی۔ مجھے اس سے دل کا چین ملا اور میں نے طے کیا کہ روحانی ترقی انسانیت کی خدمت کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ خانقاہوں کی زندگی سے نہیں چنانچہ میں نے ایک آشرم کھولنے کا فیصلہ کیا جس میں نوجوان لڑکوں کی اخلاقی تربیت کی جائے۔ اس آشرم میں میں نے ہندو مسلمان کی قید نہیں رکھی۔ وہاں ایک مسلمان لڑکا داخلے کے لئے لایا گیا۔ یہ لڑکا اپنے والدین کے لئے ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب تک میں مسلمانوں کے نظام حیات کے بارے میں معلومات حاصل نہ کروں۔ میں اس لڑکے کی تربیت کا حق ادا نہ کر سکوں گی۔ اس نیت سے میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ اب تک میں مسلمانوں سے ڈرتی تھی میں سمجھتی تھی کہ مسلمان ایک قسم کے "ڈاکو" ہوتے ہیں جو ہر قسم کا ظلم کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کتاب نے میری آنکھیں کھول دیں یہ تو سراسر حق تھا اور دل میں اترتا چلا جاتا تھا۔ یہ عملی دیانت تھا۔ آہ۔ میں اب تک کن اندھیروں تھی افسوس کہ یورپی مستشرقوں نے اسلام کی کتنی غلط تصویر پیش کی ہے وہ مذہب جسے میں خونخوار بھیڑیوں کا مذہب سمجھتی تھی مکمل سچائی کا دین تھا۔" میرے اللہ میں کیا کروں۔ میں نے تو ساری زندگی اکارت کر دی" میں نے سوچا میں ہندو ہی رہوں یا ہندو مت کو چھوڑ دوں۔ میں نے رہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ یہ ایک طرح کی موت تھی۔ قرآن مجھے زندگی کی طرف بلا رہا تھا ایسی زندگی کی طرف جو آخرت کی زندگی کی بنیاد بنتی تھی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ میں ایک مقدس خانقاہ کی راہبہ تھی۔ لوگ مجھے پیار سے ماں کہتے تھے میں مسلمان ہو جاؤں گی تو دنیا کیا کہے گی؟ مگر مجھے اپنی روح کو خلجان سے بچانا تھا۔ میں نے لوگوں کے کہنے کی پروا نہ کی۔ میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ میرے گرو بھائی بڑے وحشت زدہ ہوئے مگر میں نے انہیں خلوص سے بتایا کہ اصل دیانت یہ ہے جواب میں قبول کر رہی ہوں میرے گرو بھائیوں نے کہا یہ کام مسلمان ہوئے بغیر بھی جاری رہ سکتا ہے۔ دیانتی رہ کر بھی تم قرآن کی راہ اختیار کر سکتی ہو۔ یہ بھی دیانت کا ہی ایک سلسلہ ہو گا۔ لیکن یہ بات میرے دل میں نہ اتر سکی۔ میں سمجھ رہی تھی راماکرشن نے حقیقت کا راستہ نہیں اختیار کیا تھا۔ بلکہ وہ خود ان کے ذہن کی اپج اور ایک بھرم تھا۔ ہو سکتا ہے کسی نام نہاد صوفی نے انہیں یہ بھرم دلا دیا ہو۔ میرے ہندو دوستوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے آپ کو مسلمان نہ کہوں تو وہ مجھے آگرہ میں راماکرشن مشن کا مہنت بنا دیں گے۔ مگر مجھے دنیاوی لالچ نہ تھا۔ مجھے روح کے آرام کی ضرورت تھی۔ اس لئے میں نے ان کی بات کو رد کر دیا۔ مگر اب ایک اور مشکل آئی۔ مسلمانوں نے مجھے ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ ہمیں ہندو بنانے کے لئے یہ روپ دھارن کر رہی ہے۔ میں خود شبہ میں پڑ گئی۔ میں قرآن کو اپنا ہادی اور رہنما مان رہی تھی تو کیا یہ بات مسلمان ہونے کے لئے کافی نہ تھی۔ اپنے دل کی بے قراری کو دور کرنے کے لئے میں دیوبند گئی۔ میری لڑکی میرے ساتھ تھی۔ ہم دونوں بے پردہ تھیں۔ ہم نے مولانا حسین احمد مدنی سے ملاقات کی۔ اپنی بات ان کے سامنے رکھی اور پوچھا "کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟" "تم حقیقتاً مسلمان ہو!" ـــــ

مولانا نے ایک زوردار قہقہہ لگا کر کہا۔ "تمہیں اس میں شک کیوں ہے؟" مولانا حسین احمد صاحب کی عظمت ہم دونوں کے دل میں بیٹھ گئی۔ انہوں نے ہماری بہت خاطر کی۔ بعد کو وہ ایک بار مجھ سے ملنے منگلور بھی آئے تھے۔ انہیں کے ساتھ مولوی عزیز گل بھی تھے۔ مولانا حسین احمد انہیں بہت چاہتے تھے ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ دو دوست لڑکے ہوں۔ وہ ایک دوسرے سے معصوم مذاق کرتے، ایک دوسرے کی ہنسی اڑاتے۔ کبھی کبھی ایک دوسرے کو چڑھاتے بھی تھے۔ مجھے ان کی محبت پر رشک ہوتا تھا۔ وہ دن بھر ہمارے یہاں رہے جب وہ چلنے لگے تو میں نے مولانا حسین احمد سے کہا کہ وہ پھر تشریف لائیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں تو زیادہ نہ آسکوں گا مگر عزیز گل کبھی کبھی آیا کریں گے۔ چنانچہ مولوی عزیز گل صاحب آتے رہے میں ان سے پردہ اور دوسرے مسائل پر بے جھجک بات چیت کرتی رہی۔ شروع میں میں سمجھتی تھی کہ یہ مولوی بڑے تنگ نظر ہوتے ہیں مگر بعد کو پردے کی حقیقت مجھ پر کھلی تو میں ان کی وسعت نظر کی قائل ہو گئی۔

یہاں میں اسلام کے مطالعہ میں لگی ہوئی تھی کہ اچانک میرے شوہر کا خط آیا کہ اگر میں فوراً انگلستان نہ لوٹی تو وہ مجھے خرچ دینا بند کر دیں گے۔ بچوں کی تعلیم کا خرچ مجھ سے وصول کریں گے اور مجھ سے تعلق توڑ لیں گے۔ اس خبر پر مجھے نہ تعجب ہوا نہ افسوس ـــــ میں مسلمان ہو چکی تھی اب میں کسی عیسائی شوہر کی بیوی کیسے رہ سکتی تھی۔ رہا رزق۔ تو یہ اللہ کی دین ہے۔ کم یا زیادہ ملے گا ہی۔ عزیز گل کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے میرا ہاتھ تھامنے کی پیش کش کی۔ میں نے بڑے احترام سے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ میں جانتی تھی کہ ان کے یہاں غربت ہے افلاس ہے، پردہ ہے۔ مگر میرے لئے تو یہی اللہ کی پسندیدہ جگہ تھی۔ عزیز گل کے گھر میں میں نے سیکھا کہ خود بھوکے رہ کر مہمانوں کی تواضع میں کیا لذت ہے۔ عزیز گل کے گھر میں مجھے زندگی کی حقیقی راحت ملی وہ نہایت شریف اور مہربان شوہر ثابت ہوئے۔

یوں بھی وہ سید ہیں۔ اور انہوں نے سیادت کی لاج رکھی ہے۔ ان کے اجداد عرب سے افغانستان اور افغانستان سے ہندوستان آ گئے تھے۔ اب تو ہم دونوں راہ حق کے مسافر تھے اور راہ حق کی مسافرت میں مشرق مغرب کیسے، ہماری راہ ایک تھی، ہماری منزل ایک تھی۔ ہماری روحیں ہم آہنگ تھیں۔ ہم دونوں اللہ کے پیارے نبی ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا ارادہ لے کر اٹھے تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس راہ میں میری بیٹی میرا بیٹا اور میرا بھائی سب مجھ سے ہمدردی کرتے رہے۔ انہوں نے مجھے حق کی راہ میں قدم بڑھانے سے روکا نہیں میری زندگی ایک سفر ہے وہ برسوں کی "صحراؤں" سے گزر کر اسلام کی حسین وادی میں ختم ہو رہا ہے مگر ختم کہاں ہو رہا ہے زندگی تو موت کے بعد بھی چلتی رہے گی میری راہ اسلام کی راہ ہے یہی ایک سیدھی راہ ہے اس کے علاوہ ہر راہ کج ہے اور انسان کو اللہ کی راہ سے بہتر راہ نہیں مل سکتی۔ خدا کرے کہ میں جب تک زندہ رہوں اسی راہ پر چلتی رہوں پھر میں اس راہ سے بھاگوں بھی تو بھاگ کر کہاں جاؤں گی۔ مجھے اللہ نے پیدا کیا ہے اور مجھے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ

ٹینڈر نوٹس

۱۔ مردان اور صوابی کے سرکاری گوداموں میں فراہم گندم وغیرہ کے حمل ونقل کے سلسلہ میں برائے سال ۸۰-۱۹۷۹ء سربمہر ٹینڈر مطلوب ہیں۔ خواہشمند حضرات اس بارے میں مجوزہ فارم دفتر زیر دستخط کنندہ سے بہ ادائیگی مبلغ -/۲ روپے کسی دن دوران کار حاصل کر سکتے ہیں۔ جو کہ مورخہ ۳۱/۳/۱۹۷۹ء کو بوقت ½۱۱ بجے دفتر ہذا کو پہنچ جانا چاہیئے۔

۲۔ ٹینڈر مذکورہ مورخہ ۳۱/۳/۷۹ کو ۱۲ بجے دن ٹینڈر دہندگان یا ان کے منتخب نمائندوں کے موجودگی میں کھولے جائیں گے۔

۳۔ ٹینڈر دہندگان کو اپنے اپنے ٹینڈر کے ساتھ مبلغ ایک ہزار بطور زر بیعانہ کال ڈیپازٹ یا رسید داخلہ خزانہ کی شکل میں شامل کرانا ضروری ہے۔ رقم بصورت نامنظوری ٹینڈر قابل واپسی ہوگی۔ کیش رقم قبول نہیں کی جائے گی۔

۴۔ ٹینڈر دہندگان کے ریٹ کی منظوری کے بعد اگر دس دن کے اندر اندر اقرار نامہ کے تحریری تکمیل میں کوتاہی کی گئی اور زر ضمانت کی ادائیگی نہ کی گئی۔ تو رقم مذکورہ بیعانہ قابل ضبطی بحق سرکار ہوگی۔ نیز اگر حکومت کو ٹھیکیدار کی انکار کی وجہ سے جو نقصان اٹھانا پڑا تو وہ ٹھیکیدار متعلقہ پورا کرے گا۔

۵۔ ٹینڈر میں نرخوں کے اندراجات صاف ہونے چاہئیں۔ کٹ شدہ یا قلم پھرے ہوئے الفاظ یا نرخ کی وجہ سے ٹینڈر نامنظور کئے جا سکتے ہیں۔ جو کہ ہرگز نہیں ہونے چاہئیں۔ نیز ٹینڈر دہندگان کو اپنے نرخ ہندسوں اور الفاظ دونوں میں تحریر کرنے ضروری ہیں جو متعلقہ کالم کے عین بالمقابل ہوں۔ ڈائرکٹر صاحب محکمہ خوراک صوبہ سرحد پشاور کسی ٹینڈر کو بغیر کوئی وجہ بتائے جزوی یا کلی طور پر منظور یا مسترد کر سکتے ہیں۔ اور وہ یہ حق اپنی طرف محفوظ رکھتے ہیں۔

تحریر ۳/۷۹

بہ دستخط ڈسٹرکٹ فوڈ کنٹرولر۔ مردان

INF (P) 560

ریاض صدیقی

سائنسی فکر
کا
نیا افق

فکری سطح پر ہم تین قابلِ ذکر میلانات کے اثرات دیکھ رہے ہیں۔ اولاً یورپ سے ابھرنے والا خالص مادیت پر مبنی عقلیت: ثانیاً مشرق سے نمو پذیر ہونے والا خالص روحانی اور وجدانی فلسفۂ فکر اور آخراً اسلامی انقلاب کے زیرِ اثر فروغ پانے والا روحانی مادیت کا حقیقت پسندانہ فکری نظام۔ خالص روحانیت کے پسِ پشت عقل و خرد اور سائنس کا گذر نہیں ہے۔ چنانچہ یہ عینیت پسندانہ فکری نظام محض خیال کی پیداوار ہے۔ خوابوں کا نگر ہے۔ مرضی کا سودا ہے۔ اس موضوع پر کوئی بحث بے معنی ہوگی۔ یورپ کا تہذیبی اور معاشرتی ارتقاء اس وقت شروع ہوا جب اسلام اپنے دورِ عروج کا دائرہ پورا کر چکا تھا۔ اور تہذیب و تمدن کے ساتھ سائنس و ٹیکنالوجی کی روشنی مغرب سے مشرق تک پوری آب و تاب کے ساتھ پھیل چکی تھی۔ مغرب نے اسی روشنی میں سفر کیا۔ عربوں سے فکری نظام اور سائنس و ٹیکنالوجی حاصل کی پھر اس عظیم سرمائے کو اپنا مال سمجھ کر ترقی کی نئی راہوں پر چل پڑے۔ ہم اس وقت انحطاط و انتشار کا شکار تھے۔ ہمیں احساس نہ تھا کہ بین الاقوامی سطح پر کیا ہو رہا ہے۔ اور اب جو آنکھ کھلی تو ہماری علمی میراث انڈیا آفس لائبریری اور جرمنی کے کتب خانوں میں محفوظ ہو چکی تھی۔ ہم اس موڑ پر آگئے جہاں علوم اسلامی پر تحقیق کے لئے بھی مغرب کی درس گاہوں سے استفادہ ناگزیر ہے۔

اٹھارہویں صدی میں یورپ نے ٹیکنیک اور سائنسی معلومات میں نئے انکشافات شروع کئے۔ ان انکشافات کا بنیادی سرچشمہ نیوٹن و ڈارون ہیں۔ نیوٹن نے حرکت اور تجاذب کے نئے تجربوں سے ریاضی کے بعض ضابطے متعین کئے۔ جو عام حالت میں آج بھی غلط نہیں ہیں۔ ڈارون نے ارتقائے حیات کا مستقل نظریہ متعین کیا۔ نیوٹن کے بارے میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے طبیعات کے ان سارے نظریات سے استفادہ کیا جو عربوں کے مرہونِ منت ہیں۔ تجاذب کا جدید فارمولا آج بھی وہی ہے جو عرب سائنس دانوں نے دریافت کیا تھا۔ ارتقائے حیات کے باب میں جاحظ اور ابن مسکویہ پہلے وہ سب کچھ لکھ گئے تھے جو ڈارون کے لئے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے تھے انکشافات کا یہ سلسلہ ڈالٹن کی ایٹمی دریافتوں تک آتا ہے۔

اس ساری نتائج آفریں بحث کا حاصل یہ تھا کہ سائنسی بنیادوں پر صرف اور صرف مادہ ہے کا وجود اور برتری ثابت ہوئی چنانچہ مغرب میں آزاد خیال دانشوروں نے اس حقیقت کو بنیاد بنا کر فکری اور سیاسی فلسفے بنائے اور سختی کے ساتھ ان فلسفوں کو سائنسی سچائیوں کا نام دیا۔ یورپ کو مادر پدر آزاد ہونے میں جن محرکات کا فیصلہ کن رول رہا ہے وہ سائنسی انکشافات اور تثلیث کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰؑ سارے گناہ اپنی گردن پر لے گئے ہیں عیسائیت کے پاس پاپائیت کے علاوہ کچھ نہ تھا اور اس مذہبی نظام میں دنیا کی تعمیر و تشکیل کے لئے کوئی رہنما منشور بھی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب نے سائنس کے زیر اثر ایک خود ساختہ معاشرتی نظام متعین کیا جہاں روح اور خدا کا کوئی اساسی وجود نہ تھا۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کی خالص مادیت پورے مغرب کا مخراج بن گئی۔ گذشتہ صدیوں کے سائنس دانوں کو یہ احساس نہ تھا کہ ان کے بنائے ہوئے قوانین و ضوابط میں کسی نقص یا کمی کا وجود بھی ہوسکتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ فلسفہ نے سائنس کے تعاون سے مادیت کے نظریئے کو حرفِ آخر تصور کرلیا۔ اس انقلاب کا بین الاقوامی دائرۂ اثر بھی کم نہ تھا۔ چنانچہ مشرق کے ترقی پذیر اور نو آزاد ملکوں نے بھی عملاً مغرب کے افکار و نظریات ہی کو اپنا شعار بنانے میں فخر محسوس کیا حتیٰ کہ ہم اہلِ اسلام بھی اس کی ضرب سے نہ بچ سکے۔ اسلامی عہد کے علوم و فنون اور سائنس و ٹیکنالوجی کی طرف ہماری نظریں اٹھیں۔ لیکن ہم نے اس کو ماضی کا افسانہ جان کر نظر انداز کر دیا۔ شاید ہمیں اس حقیقت کا علم نہ تھا کہ بیسویں صدی میں آئن اسٹائن۔ نیل بھور۔ جانٹ اور ماٹی زن برگ کے ہاتھوں وہ انقلاب بھی آنے والا ہے جو یورپ کی طبیعات اور ریاضی کے مروجہ اصولوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جائے گا۔

نیوٹن اور ڈارون ماضی کی صدائے گشت بن کر رہ جائیں گے۔ اور جدید سائنس پھر اس اساس کی گواہی دے گی جو اولاً قرآن کریم اور تعلیمات نبوی کے ذریعہ انسانیت کو عطا کی گئی تھی۔ اضافیت۔ کوانٹم۔ امکانیت اور ایٹم کے نئے انکشافات نے اس طویل بحث کو آخری حدود تک پہنچا دیا ہے۔ خود آئن اسٹائن نے وضاحت کے ساتھ بتایا ہے کہ مادہ کائنات سے فنا ہو رہا ہے۔ کائنات ایک متناہی اور متعین ہیولا ہے مادے کے برعکس ضد مادہ (ANTIMATTER) موجود ہے بلکہ وہ کائنات بھی ہے جو ہماری کائنات سے یکسر مختلف ہے۔ جدید سائنس مادے کی روحانی اساس کا اعلان کر چکی ہے۔ آخری نتیجہ کہیں نہیں ہے ہم دعوے کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ "الف" ہے بلکہ صرف اتنا کہیں گے کہ "الف" کا امکانی وجود ہے۔ کائنات آئن اسٹائن کے نزدیک حوادث و واقعات کا چہار سمتی سلسلہ ہے۔ ریاضی کے کلیات محض امکانی نتائج ہی کی نشان دہی کر سکتے ہیں۔ اس نے ثابت کر دیا کہ نیوٹن کے ضابطے صرف ایک متعین حد تک ہی اپنی معنویت ظاہر کر سکتے ہیں۔ ان حدود کے بعد ان کی معنویت کافور ہو جاتی ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر مادہ اور انرجی کی ثنویت کا نیا ضابطہ $E = MC^2$ متعین ہو جاتا ہے اور روشنی کی رفتار

کو کائناتی انتہا کا درجہ مل جاتا ہے۔ روشنی کی رفتار وہ منتہا ہے جہاں تک رسائی عملاً ممکن ہی نہیں ہے اگر بالفرض محال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ روشنی کی رفتار کے مقابل کوئی شے پہنچ سکتی ہے تو بھی وہ لمحہ ہو گا جب کائنات ایک دھماکے کے ساتھ فنا ہو کر روئی کے گالے بن جائے گی۔ مادے کی معدومیت (ANNIHILATION) کا منطقی نتیجہ مادی کائنات کے مکمل اختتام ہو گا۔ جدید سائنس کا فیصلہ ہے کہ مستقبل میں ہم ان دیکھی توانائیوں کے سہارے زندگی گذاریں گے۔ ان توانائیوں کا ایک حصہ تو سائنسی آلات کی گرفت میں لیکن اپنی انتہا پر یہ توانائیاں آلات کے ذریعہ ہمارے محسوسات تک نہیں پہنچتی ہیں اور یہاں ریاضی کے امکانی اندازوں ہی سے کام لینا پڑتا ہے مطلق عدد صفر (ABSOLUTE ZERO) صرف حسابی اصول ہے۔ تجربہ اس کے وجود کو گرفت میں لینے سے قاصر ہے۔ بیسویں صدی کے سائنس نظام کو آئین اسٹائن نے سائنسی عینیت پسندی کا نام دیا ہے چنانچہ اس نے وجدان کے امکان کا اعادہ کیا ہے۔ اور وجدان و الہام کو ذہن انسانی کا ایک عظیم تر عمل قرار دیا ہے۔ الہام و وحی تو بہت دور کے مسائل ہیں۔ ایک عام اور تفکر پسند ذہن وجدان سے بھی بہ آسانی استفادہ نہیں کر سکتا ہے۔ اس نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ تحیر آفریں سائنسی انکشافات کا نقطہ آغاز مشاہدے اور تجربے میں نہیں بلکہ وجدان میں ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر نیوٹن اور ڈارون کے سائنسی نظام کو کلاسیکی کہا جا رہا ہے کتنی عجیب بات ہے کہ ہم صدیوں اس وہم میں گرفتار رہے کہ زمین ہر شے کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ نیوٹن کے یہاں اسی حقیقت کو "جی" کہا جاتا رہا ہے۔ آج یہ "جی" جس کی قیمت 3.81 ہے محض ایک خواب بن گیا ہے ہم جب کائنات میں ہیں وہاں کشش ارضی جیسی کوئی شے نہیں ہے صرف مختلف لمحوں میں کائنات کی پوزیشن ہے جو حرکت کے نظام کو متعین کرتی ہے۔ کل ایٹم ناقابل تقسیم وحدت تھا آج وہ ہزار ہا اجزا میں تقسیم ہو کر لا کی منزل تک پہنچا ہے۔ ایٹم کے اندر لاتعداد ایسے ذرات ہیں جن کا وجود محض خیالی اور حسابی ہے۔ مزید یہ کہ ایٹم متضاد ذرات کا ہیولیٰ ہے۔ اگر الکٹرون ہے تو اینٹی الکٹرون کا وجود لازم ہے۔ جدید سائنس کا یہی وہ میلان ہے جس کو اسلامی انقلاب کے تحت فروغ پانے والے روحانی مادی نظریے کا میلان کہا جائے گا۔ گویا اسلام نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی اساس صحیح خطوط پر قائم کی تھی اور دنیا کو اسی طرف واپس ہونا ہے۔ مغرب کی اس سے بڑھ کر ہٹ دھرمی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ اس نے فکری سطح پر کلاسیکی طبیعات کو تسلیم کرنے میں تاخیر نہیں کی۔ لیکن جدید طبیعات سے وضع ہونے والی فکری نظام سے استفادہ کرنے میں بخل کا مظاہرہ کر رہی ہے اس صورت حال کے باوجود مغرب میں فکری انقلاب کی تحریک بتدریج راہ پا رہی ہے۔ جیمز جینز۔ وہائٹ ہیڈ اور دیگر اہل فلسفہ کی تعبیرات و تشریحات نے مغرب میں تصوف کی نئی روایات کو بہر حال شرف قبولیت بخشا ہے۔ ترقی پذیر آزاد اسلامی اقوام کے لئے یہ انقلاب خوش آیند ہے "لاتسبوا الدھر فرمان نبی است"، کی حقیقت آج آشکار ہوئی اور امام شافعیؒ کا قول کہ وقت تلوار ہے آج نئے معنی کی نشان دہی کر رہا ہے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

منزلِ مقصود ہے نزدیک تر تُو غم نہ کر

از جناب محترم سیّد امین گیلانی۔ شیخوپورہ

بس خدا پہ رکھ نظر اے ہمسفر تو غم نہ کر
منزلِ مقصود ہے نزدیک تر تو غم نہ کر

ٹوٹنے والا ہے کچھ لمحوں میں افسوں رات کا
مہرِ عالمتاب ہوگا جلوہ گر تو غم نہ کر

عندلیبِ زار بدلی چھاگئی چٹکیں گے پھول
دیکھ لے گا اپنے نالوں کا اثر تو غم نہ کر

شافیٔ مطلق ہے تیرا چارہ گر تو جی نہ ہار
ہار بیٹھے ہیں جو ہمّت چارہ گر تو غم نہ کر

وہ خدایا ہل چلا تو بیج بو پانی بھی دے
تیرے ذمّے جو بھی محنت ہے وہ کر تو غم نہ کر

بزدلوں کے ساتھ جینا ہے بجائے خود عذاب
بڑھ کے ہو پیشِ قضا سینہ سپر تو غم نہ کر

کانچ گھر سے سنگ آیا ہے ادھر ہی پھینک دے
پھر کبھی زخمی نہ ہوگا تیرا سر تو غم نہ کر

موت کا جو وقت لکھا ہے وہ ٹل سکتا نہیں
مر نہیں سکتا تو اس سے پیشتر تو غم نہ کر

گوہرِ نایاب تیرا ہر سخن ہے اے امینؔ
ہمنوا تیرے ہیں سارے دیدہ ور تو غم نہ کر

از جناب محمد سلیم صاحب

"برصغیر میں دو سو سالہ اسلام دشمنی سرگرمیوں کا ایک جائزہ"

پاکستان میں برطانوی اثرات

اورنگ زیب عالمگیر کی ۱۷۰۷ء میں وفات برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ عالمگیر اس ملک میں مسلمانوں کی آبرو اور اسلام کے تحفظ کی وہ علامت تھی۔ جس کا احیاء اگرچہ بعد میں جزوی طور پر کہیں کہیں ہوتا رہا لیکن مکمل اعتبار سے اس پیمانے پر اسلام کے قوانین کا نفاذ اور معاشرہ میں اسلامی اثرات دوبارہ ظہور پذیر نہ ہوئے

انگریزوں نے برصغیر میں آتے ہی یہاں کی معاشرت، مذہب، قبائل، جغرافیہ اور تاریخ کے تفصیلی مطالعے کے لئے بے شمار علماء کو متعین کیا اور اس کام پر لاکھوں پاؤنڈ خرچ کئے۔ ان کے ہراول دستے کے طور پر جو عیسائی مشن یہاں آئے انہوں نے بھی اپنے طور پر یہاں کی زبانوں کو سیکھنے، یہاں کے معاشرتی مسائل کو سمجھنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود یہاں کے رہنے والوں کی نسبت ان کا برصغیر کے مختلف مسائل کے بارے میں علم کہیں زیادہ بہتر انداز سے مدوّن ہو گیا۔ آج بھی برصغیر کے مختلف علاقوں زبانوں اور دیگر مسائل پر ان کی لکھی ہوئی کتابوں اور مضامین سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تفصیلی مطالعہ بہر حال برصغیر کے مسلمانوں کی جگہ اپنے آپ کو مسلّط کرنے کے لئے ایک اہم کلید کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اسے محض خالی خولی علمی تحقیقات کا جنون قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ انگریزوں نے ایسے علماء کو استعمال کیا جو اپنی اپنی جگہ علم کے دیوانے تھے۔ لیکن ان کے پسِ پشت ملک گیری کی ہوس موجود تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ انگریزوں نے اس ملک کو تلوار کے زور سے کم اور علم کے زور سے زیادہ مسخر کیا تو یہ بات مبالغہ آمیز نظر آنے کے باوجود حقائق کی نشان دہی کرے گی۔

علم کی جو نہج اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے انگلستان میں مروّج تھی وہ بنیادی طور پر یہودی عیسائی اور اسلام دشمن ذہن کی پیداوار تھی۔ اس نئے علم کے بانیوں میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو علوم کو قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ انسانیت کی خدمت کی بجائے ایک خاص گروہ کے مخصوص مفادات کی نگہداشت کے لئے

استعمال کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے عوام کو ناول ڈرلٹ اور افسانوں کی دنیا میں مست رکھا جب کہ مخصوص افراد کی ایک بڑی تعداد ان علوم کے حصول میں مشغول رہی جس سے کارِ جہانبانی لیا جا سکتا تھا۔ ان علوم کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل رہی اور ساتھ ہی ساتھ فری میسن، روزی کروشن اور اسی طرح کی دوسری تحریکوں اور یہودی سرمائے اور علم کی سرپرستی اور نگہداشت بھی میسر آتی رہی۔

سلطنت برطانیہ نے مسلم ممالک پر جو قبضہ کیا وہ عیسائی استعمار کے ایک مجموعی اور مکمل منصوبے کا حصہ تھا جس کے تحت پہلے پرتگیزی شہزادہ ہنری کو بیت المقدس کے عقب میں بحری راستے کے ذریعے خطرہ پیدا کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ پھر سپین، ولندیزی فرانسیسیوں اور ان کی دیکھا دیکھی انگریزوں نے اس میدان میں پیش قدمی کی۔ اور انگریزوں نے بالآخر اس میدان میں سبقت حاصل کر لی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے بحر ہند سے ملحق علاقوں کے ایک بہت بڑے حصے پر جن میں سب سے اہم برصغیر تھا قبضہ کر لیا۔ ڈچ استعمار نے بھی مسلمانوں کے ایک بہت بڑے مجمع الجزائر انڈونیشیا کو ہتھیا لیا۔ انگریز استعمار کی کامیابی میں ان کی علمی پیش رفت اور فری میسن اور روزی کروشن خفیہ تحریکات کے مخصوص ہتھکنڈوں کا بہت بڑا دخل تھا۔ یہ تحریکات دشمنی اور مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی کوششوں کے راستے میں ہراول دستے کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان کا تفصیلی جائزہ ایک الگ مضمون کا متقاضی ہے۔ مختصر یہ کہ دونوں تنظیمیں جو انگلستان کے شاہی خاندان، طبقہ اور علماء کے بہترین دلوں اور دماغوں پر مشتمل تھیں۔ خفیہ ذرائع سے کام کرنے کو اپنا طریق کار قرار دیتی تھیں اور اپنے مقصد کی راہ میں کسی قسم کی اخلاقی بندشوں کی قائل نہ تھیں۔ یہودی ذہن اور سرمایہ کی پیداوار ہونے کے ساتھ انگلستان کے قومی مقاصد کی تکمیل کا آلۂ کار ہونے کی وجہ سے انگلستان کے اعلیٰ ترین طبقے کی سرپرستی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

اس تاریخی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے آئیے ہم برصغیر کی تاریخ کا جائزہ لیں۔ یہ دیکھیں کہ یہاں کون کون سی اسلام دشمن تحریکات موجود تھیں اور کس طرح انگریزوں نے یہاں آ کر ان تحریکات کو ایک نئی زندگی عطا کی۔ انگریز اپنے علمی جائزوں کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہاں کی اصل قوت ملت اسلامیہ کے غیرت مند امراء اور علماء ہیں۔ یہ لوگ کسی قسم کی مصالحت یا نفاق کا شکار نہیں۔ اور یہ مرتے دم تک مقابلہ کریں گے دوسری طرف انہوں نے یہاں کے کمزور پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ تو انہیں ایرانی اور تورانی کشمکش میں سے وہ طبقہ زیادہ پسند آیا جو اپنی وفاداریوں کا محور یہاں کی نسبت کسی اور سرزمین کو بنائے ہوئے تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ گروہ مذہبی پابندیوں کے معاملے میں نسبتاً زیادہ آزاد خیال واقع ہوا تھا۔ چونکہ فری میسن اور روزی کروشن بھی آزاد فکری کی تحریکات کو پرورش دینے اور مذہب کی نحوست کو کمزور کرنے میں پیش پیش تھے۔ اس لئے ان کا فطری

معاہدہ ناگزیر تھا۔ ابوالفضل فیضی اور ان کے ہم مشرب لوگ اس گروہ میں تھے جنہوں نے باہر سے آئی ہوئی نئی طاقت کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اس طرح انگریزوں نے اپنے مخالف جس قوت کو زیر کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے وہ بقول ان کے ان پرجوش جنونی مسلمانوں کا طبقہ تھا جو کسی قیمت پر مصالحت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ انگریزوں کی نظر میں اورنگ زیب عالمگیرؒ ایک فرد نہیں بلکہ اس مجموعی رویے کی علامت تھا جو برصغیر کے مسلمانوں کے ایک خاص طبقے میں پایا جاتا تھا۔ اپنی دو صدیوں کی مسلسل کوششوں کے باوجود وہ اس طبقے کے سر قلم تو کر سکے لیکن انہیں جھکانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

برصغیر میں حکومت تو بادشاہوں کی رہی ان میں اچھے برے دونوں طرح کے عناصر رہے ہر چند غالب اکثریت انہی حکمرانوں کی تھی جو شرعی اعتبار سے انتہائی نیک سیرت افراد تھے۔ ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں کے عہد کو جزوی اعتبار سے اگر الگ کر دیا جائے تو سلطنت دہلی اور سلطنت مغلیہ کا غالب حصہ اسلام کے شعائر کی حفاظت اور مسلمانوں کی عزت و آبرو کے تحفظ کی علامت تھی۔ یہاں ایک اور چیز غور کرنے کے لائق ہے۔ اور وہ یہ کہ بادشاہوں کا عمل دخل تو جو کچھ تھا سو تھا مسلمانوں کی مجموعی زندگی پر علماء اور صلحاء بزرگانِ دین، صوفیاء کرام کے طبقوں کے گہرے اثرات تھے۔ ایک طویل فہرست ہے جو حضرت علی ہجویری (داتا گنج بخشؒ) سے لے کر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے دور پر محیط ہے۔ لاکھوں افراد ان کے آستانہ فیض سے منسلک تھے اور دلوں پر حکومت انہی بوریا نشینوں کی تھی۔ یہ افراد اور ان کے دامن سے بندھے ہوئے امراء اور عوام درحقیقت انگریزوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھا۔ یہ تو انگریزوں کے دشمنوں کا تذکرہ تھا۔ آئیے اب ان کے دوستوں کا ذکر کریں۔

اس سے پہلے ایک گروہ کا ذکر آچکا ہے۔ ان کے علاوہ برصغیر میں مختلف النوع اقوام و گروہ ایسے تھے جن سے انگریزوں کا فطری الحاق ہونا ضروری تھا ان میں ہندو پیش پیش تھے۔ پارسی قوم جس کے آتش کدے مسلمانوں نے ٹھنڈے کر دئے تھے اپنے دلوں میں انتقام کے کتنے ہی آتش کدے صدیوں سے فروزاں کئے ہوئے تھی۔ مسلمانوں کے اقتدار اور دبدبے کا زور کم ہوتے دیکھ کر اور انگریزوں کی بڑھتی ہوئی قوت میں اپنے لئے ذریعۂ نجات پاکر یہ افراد بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ چنانچہ برصغیر میں فری میسن کے بڑے بڑے عہدے داروں میں یہودیوں اور عسائیوں کے بعد سب سے زیادہ تعداد انہی کی تھی۔ یہ افراد مختلف اوقات میں ایران سے ہندوستان منتقل ہوتے رہے، بمبئی ان کا مرکز تھا یہی جگہ فری میسن کا بھی مضبوط گڑھ ہی یہاں بمبئی کا مختصر ذکر ضروری ہے کہ مسلمانوں کے دیگر ہم رنگ زمیں رکھنے والے طبقوں کی جائے پناہ بھی یہی رہی ہے۔ چنانچہ آغا خان کی جماعت ہو یا داؤدی بوہرہ فرقہ۔ یہودیوں یا پارسی ہندوؤں کا تجارتی اور اعلیٰ درجہ کے ذہین افراد۔ غرض یہ جگہ اٹھارہویں صدی سے اسلام دشمنی کا مضبوط قلعہ رہی ہے۔ اتفاق یہ کہ

اسرائیل کا قونصل خانہ بھی اسی شہر میں بعد میں بنا۔ یہ وہ سب مختلف طبقے تھے جن کا نقطۂ اشتراک ایک اور صرف یہ تھا اور وہ مسلمانوں کی قوت کو برباد کرنا اور اپنے مفادات کو آگے بڑھانا۔ کلکتہ کو اس سلسلے میں ثانوی حیثیت حاصل تھی۔ کلکتہ سے پورے بنگال، بہار اور وسطی ہندوستان اور بمبئی سے پورے مغربی پاکستان اور افغانستان کے علاقوں کی تسخیر کے منصوبے اٹھے۔ دہلی کو بیسویں صدی میں جاکر پایۂ تخت بنایا گیا۔ اس سے پہلے کلکتہ انگریزی دارالسلطنت کی رکھا تھا۔

اس پس منظر کو سامنے رکھنے سے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ اس آئینے میں مختلف اقوام کا اصل کردار نظر آسکتا ہے۔ اس سے پہلے تین گروہوں کا ذکر آچکا ہے۔ وہ انگریزوں کے قیام سے پہلے یہاں موجود تھے۔ یا باہر سے انگریزوں کے ساتھ آئے۔ لیکن ایک طبقہ خود انگریزوں نے پنجاب میں ایسا پیدا کیا جو کہ ان کا "خودکاشتہ پودا" تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۶۳ء کی جنگ نے انگریزوں پر یہ بات واضح کردی تھی کہ جہاد اور قتل مرتد کی تنسیخ کے بغیر ان کی نجات ممکن نہیں۔ اول الذکر کے لئے مرزا غلام احمد اور دوسرے کے لئے سرسید احمد خان کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ایک طرف مذہبی اعتبار سے انگریزوں کی وفاداری کو جزو ایمان سمجھنے والے گروہ کی پیداوار کی گئی تو دوسری طرف نوکری اور انگریزی تہذیب اور تمدن کو جزو ایمان سمجھنے والے گروہ کو پیدا کیا گیا۔ یہ دونوں گروہ آپس میں خلط ملط بھی رہے اور ان میں کئی مشترک قدریں بھی تھیں۔ قادیان اور علی گڑھ دیکھنے میں بظاہر بالکل مختلف اداروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن دونوں میں انگریزوں کی نقالی کو وجہ نجات سمجھنے کی قدر مشترک تھی۔ بعد میں علی گڑھ کے مزاج میں محمد علی جوہر اور ان جیسے دیگر افراد۔ لیکن اینگلو عربک محمڈن کالج کا مقصد وحید مسلمان نہیں بلکہ محمڈن پیدا کرنا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد ہمارے یہاں جو طبقہ برسر اقتدار آیا اس میں قادیان، علی گڑھ (آزاد فکری، الحاد مغرب پرستی اور اسلام کا ایک عجیب وغریب ذہنی مغلوبہ تھا) ایرانی طبقات، پارسی، ہندو اور مسلمانوں میں سے انگریزوں کی سرپرستی میں تیار کردہ جاگیرداروں، وڈیروں اور سرداروں کا وہ طبقہ تھا جو مذہبی اعتبار سے کثریت کے ساتھ ہونے کا دم بھرتا تھا لیکن درحقیقت اس کے جسمانی اور روحانی رشتے انگریزوں کے طبقۂ امراء کے ساتھ تھے۔ ان کی اکثریت انگلستان میں تعلیم حاصل کرتی رہی یا برصغیر کے ان مخصوص سکولوں میں جو انگریزی تہذیب و تمدن کی روح پیدا کرنے کے لئے خاص طور پر بنائے گئے۔ لارنس کالج گھوڑا گلی۔ ایچی سن کالج، برن ہال اور ڈون سکول وغیرہ دون میں پرورش پانے والے اور انگریز خاندانوں کے ساتھ شراب وکباب کی محفلوں شکار اور اسی طرح کی دیگر تفریحات میں شریک ہونے والے یہ افراد ہرچند برصغیر کی مٹی سے تعلق رکھتے تھے لیکن ملت اسلامیہ کے اجتماعی مسائل کے بارے میں ان کا رویہ بہرحال انگریزوں سے مختلف نہ تھا۔ یہ ان سے بڑھ کر

شہنشاہ کے وفادار بھی۔ پاکستان میں قوت کے تمام سرچشمے شروع دن سے انہی کے پاس ہے اور انگریز قوت و اقتدار کی امانت اپنے ان وفادار طبقوں کو یوں سونپ کر گیا کہ جیسے اقتدار کی گیند فٹ بال کے میچ کے چوبیس کھلاڑیوں کے قبضے سے باہر تماشائیوں کے ہاتھ میں کچھ لمحوں کے لئے آبھی جائے تو وہ اسے واپس پھینک دیتے ہیں ان کھلاڑیوں میں سے کچھ کے میچ کھیلنے کے ناقابل ہونے پر دوسرے کھلاڑیوں نے ان کی جگہ لے لی۔ لیکن بہر حال یہ فٹ بال میچ بدستور جاری ہے۔

آئیے ہم قوت کے سرچشموں کا جائزہ لیں۔ پاکستان بننے کے بعد سیاسی ادارے یعنی اسمبلیاں اور سیاسی جماعتیں، بری افواج بشمول فضائیہ اور بحریہ۔ سول سروس۔ وزارت خارجہ۔ یونی ورسٹیاں اور تحقیقاتی مراکز صحافت، ذرائع ابلاغ عامہ ان میں سے کونسا شعبہ ہے جن پر انگریز نواز اور ان کے پروردہ طبقوں کی انتہائی مضبوط گرفت نہ رہی ہو۔

میں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ طبقہ علماء میں چونکہ انہیں بہت زیادہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی تھی! اور دیوبند، مظاہر العلوم ندوہ اور اسی طرح کے دیگر اداروں نے طبقہ علماء کو انگریزوں کی دست برد سے بچا رکھا تھا اس لئے ان کی کردار کشی کی بھرپور جدوجہد پاکستان بننے کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی۔ طبقہ صوفیاء میں بڑی بڑی گدیوں کے انگریزوں کے زیر اثر کی داستان بھی اپنی جگہ الگ موضوع ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اس طبقے میں بھی اچھی خاصی تعداد نے رشد و ہدایت کی شمعیں فروزاں رکھیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت رائے پوری ہوں یا نقشبندیہ مجددیہ کے سلسلے کے چراغ ہوں سب نے اپنی اپنی جگہ انگریز نواز طبقے کی اسلام دشمنی اور ملت اسلامیہ کی بدخواہی کا پورا پورا مقابلہ کیا۔

یہودی اثرات کے تحت برصغیر میں الحاد اور آزاد فکری کی جو تحریکات چل رہی تھیں اور جن میں علی گڑھ پیش پیش تھا۔ اشتراکیت کا فروغ بھی انہی کے ضمنی اثرات میں سے ایک تھا۔ علی گڑھ اشتراکیت کے فروغ کا ایک اہم مرکز رہا ہے۔ سجاد ظہیر۔ اختر حسین رائے پوری اور کتنے ہی شاعر ادیب اس جگہ سے نکلے۔ ترقی پسند تحریک جس نے اردو ادب میں اشتراکی زہر کی پڑیا گھولنے کا کام انجام دیا بھی علی گڑھ ہی کی پیداوار تھی۔ برصغیر میں اشتراکیت ادب کے راستے سے حملہ آور ہوئی۔ اس کا ایک اور بڑا مرکز مزدوروں اور کسانوں میں تھا۔ اس کے لئے بھی کافی بڑی تعداد میں ادیبوں اور شاعروں اور دانشوروں کو کام میں لایا گیا۔ پھر اشتراکیت میں مزدکی فلسفہ پنہاں ہونے کی وجہ سے سرزمین مزدک سے روحانی تعلق رکھنے والوں کو بھی اس سے خاصا تعلق خاطر رہا۔

پاکستان بننے کے بعد بہائیت نے بھی یہاں کافی پر پرزے نکالے۔ اسرائیل میں ہیڈ کوارٹر رکھنے والی اس جماعت نے پاکستان بننے کے بعد مختلف شہروں میں ہال بنائے اور اپنی تعداد میں خاصا اضافہ کیا۔ یہ تحریک بھی انگریزوں ہی کے

فتنہ پرور دماغ کی پیداوار ہے۔ قدیم گمراہ طبقوں میں ذکریوں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ہر چند یہ ایک محدود علاقے یعنی مکران میں ہیں۔ لیکن ان میں فتنہ پروری کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ ان کا اشتراکیوں اور دیگر اسلام دشمن طبقوں سے گٹھ جوڑ ہو چکا ہے۔ خود بزنجو قبیلے کی کافی بڑی تعداد ذکری ہے۔ مکران کے الگ ڈویژن بن جانے کے بعد ان کی سرگرمیوں میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ اسلام دشمنی اور مسلمان دشمنی میں اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے مسجدوں پر حملے کرنے سے گریز نہیں کیا۔ قلات کے مسلمان اور دور اندیش حکمران میر نصیر خاں نوری نے اپنے ملک میں ان کے خلاف تین مہمات بھیجیں۔

عیسائی مشنری پاکستان بننے کے بعد جس قدر سرگرم ہوئے اس سے پہلے کبھی اس حد تک نہ تھے۔ انہوں نے منظم منصوبے بنائے مختلف جگہ آبادیاں قائم کیں۔ گرجا ہسپتال۔ سکول اور دیگر ادارے قائم کئے۔ عیسائیت کے لٹریچر کی پاکستان کی علاقائی زبانوں میں ترجمہ و تصنیف کا کام بھی بڑھا ہے۔ اور غیر ملکی مشنری ادارے اپنا اصلی کام یعنی ملک میں اسلامی قدروں کا انہدام اور غیر ملکی سراغ رساں ایجنسیوں کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کو بڑے پیمانے پر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے یہاں کے انگریز نواز سول سروس کے افراد نے انہیں ہر ممکن سہولت پہنچائی ہے انہیں زمینیں اور رہائشی جگہوں کے حصول کے لئے کسی قسم کی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

اقوام متحدہ نے جو درحقیقت بین الاقوامی یہودی لابی کے زیر اثر ایک ذیلی ادارے کی حیثیت رکھتا ہے پاکستان بنتے ہی یہاں اپنی یلغار شروع کر دی تھی۔ یونیسکو۔ یونیسف۔ عالمی ادارہ خوراک۔ عالمی بنک اور اسی طرح کے دیگر بیسیوں ادارے پاکستان میں اپنے پنجے گاڑھے ہوئے ہیں۔ ان کے افراد پاکستان کی معیشت سیاست اور مختلف اداروں میں جو گہرے اثرات رکھتے ہیں ان کا تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اقوام متحدہ کے علاوہ امریکہ نے اپنے اطلاعاتی ثقافتی مراکز اور دیگر مختلف تنظیموں مثلاً یو ایس ایڈ کے ذریعے پاکستان کے مختلف علاقوں اور مختلف اداروں میں اپنے اثرات پھیلائے ہیں۔ برطانیہ کے مراکز اطلاعات اور لائبریریاں ان کے علاوہ ہیں۔ برطانیہ اور امریکہ نے ۴۸ء میں آپس میں ایک دوسرے نے سراغ رسانی کے شعبے میں ایک اہم معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے برطانیہ اپنا قیمتی تجربہ اور اپنے ذرائع اطلاعات سے امریکہ کی مدد کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔ برطانیہ کی سابق نوآبادیوں کے بارے میں برطانوی افسروں کی ماہرانہ رائے سے امریکہ کی سی آئی اے نے آنے والے سالوں میں خاصا فائدہ اٹھایا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دونوں ملکوں میں زبان کے اشتراک نے ان دونوں کے گٹھ جوڑ کو ہمارے حق میں کہیں زیادہ خطرناک بنایا ہے۔ سی آئی اے کے علاوہ روس کی ایجنسی کے جی بی اور پاپائے روم کی خفیہ پولیس بھی مسلم ممالک میں خاصی متحرک رہی ہے۔ پاکستان میں پاپائے روم کا سفیر اسلام آباد کے متحرک ترین افراد میں سے ہے۔ پاکستان میں مختلف میدانوں میں برطانیہ کی لابی کے اثرات جانچنے کے لئے ایک طویل منصوبے پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ برطانیہ کی ریشہ دوانیاں دو سو سال سے زیادہ عرصے پر محیط ہیں اور ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کا بھرپور جائزہ لیا جائے۔

بلند ہمّت
جوانوں کی پسند
اُجالا ڈینم
اور
صَدف شرٹنگ
مضبوط و دیرپا اُجالا واش اینڈ ویئر ڈینم
خوشنما رنگوں میں لیجیے۔
صَدف شرٹنگ بہت سے پکّے رنگوں میں
دستیاب ہے۔
زندہ دل جوانوں کا ذوقِ زیبائش،
آج جنکے دَم سے رونق اور چہل پہل ہے۔
MADE OF
Toray
TETORON
POLYESTER FIBER
محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
Asiatic

یادوں کے چراغ
سلسلۂ مضامین

مجاہد الحسینی

مجلسِ احرار، قائدِ اعظم اور مسلم لیگ

اخی المحترم مولانا سمیع الحق صاحب زید فضلہٗ
مدیر الحق۔ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے موقر جریدے الحق کا شمارہ ۱۰، ماہ رمضان المبارک نظر سے گذرا جس میں مکتوب دہلی " جگ بیتی اور آپ بیتی " کے زیرِ عنوان بزرگانِ احرار اور مسٹر جناح کی ذیلی سرخی کے تحت امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ کی ذاتِ گرامی اور مجلس احرار اسلام کی بابت غلط باتیں منسوب کر کے حقائق کو مسخ کرنے اور تاریخی صداقت کو جھٹلانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس مضمون پر اظہارِ خیال بروقت کر دیا گیا تھا مگر حج بیت اللہ شریف کی باسعادت مصروفیت کے باعث اسے آپ کی خدمت میں تاخیر کے ساتھ ارسال کرنے پر معذرت خواہ ہوں۔

اول تو میری نگاہ میں اس مکتوب دہلی کی الحق میں اشاعت ہی محل نظر ہے۔ خاص طور سے ملک کی نازک اور سنگین صورتِ حال کے دوران احرار اور مسٹر جناح کو بلا ضرورت موضوعِ بحث بنانے کی کوشش چہ معنی دارد؟ کیونکہ دورانہ کار بحثیں چھیڑنے اور غیر موزوں باتوں سے تلخیاں بڑھتیں اور غلط فہمیاں گھر کر لیتی ہیں پھر برسوں کی محنت شاقہ سے بھی ان کا ازالہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ مکتوب دہلی میں ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران پیش آمدہ ایک واقعے کو کسی سیاق و سباق کے بغیر پیش کر کے پرسکون ماحول میں سنسنی پیدا کرنے اور پرامن فضا کو مکدر کرنے کی دانستہ یا دانستہ کوشش کی گئی ہے۔

خان کابلی صاحب نے اپنے مکتوب دہلی میں دو باتیں خلاف واقعہ تحریر فرمائی ہیں ان میں ایک یہ کہ " مجلس احرار کے قلندر قسم " کے بیباک رہنماؤں نے کبھی بھی مسٹر جناح سے ملنے کی خواہش و کوشش نہیں کی تھی۔

اور ثانیاً - یہ کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران مسٹر جسٹس منیر احمد نے حضرت امیر شریعت سے دریافت کیا تھا کیا آپ نے قائد اعظم کو کافر اعظم کہا تھا ؟ تو سید بخاریؒ نے جواب میں فرمایا کہ مولانا مظہر علی اظہر نے کہا تھا -

مکتوب دہلی کی یہ دونوں باتیں خلاف واقعہ ہیں -

ان میں سے جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے میرے پاس قائدین احرار (چوہدری افضل حق، چوہدری عبدالعزیز بیگووال، مولانا سید داؤد غزنوی اور شیخ حسام الدین امرتسری) کے مشترکہ مکتوب مورخہ ۱۳ رمئی ۱۹۳۶ء بزبان انگریزی کی نقل موجود ہے جو انہوں نے قائد اعظم کی خدمت میں ارسال کیا تھا - قائدین احرار نے اس میں قائد اعظم کی تجاویز پر آل انڈیا احرار سنٹرل کمیٹی میں غور کرنے کا یقین دلایا تھا - علاوہ ازیں احرار و مسلم لیگ کے رہنما ملت اسلامیہ کے اجتماعی مفادات کی خاطر مختلف سماجی کاموں میں مشترکہ لائحہ عمل اختیار کیا کرتے تھے - جیسا کہ بنگال اور بہار کے مصیبت زدہ انسانوں کی امداد کے لئے ان حضرات نے باہم اشتراک و تعاون کی صورت میں خدمات انجام دی تھیں -

یہ لوگ ہمہ وقت متحارب نہیں بلکہ معاون بھی ہوا کرتے تھے - اور بہت سے مسائل میں باہم گفت و شنید اور ملاقاتیں بھی کیا کرتے تھے - خود غازی کابلی صاحب نے اپنے اس مضمون میں اعتراف کیا ہے کہ " ایک مرتبہ لاہور کے فلیٹی ہوٹل میں قائد اعظم سے مولانا مظہر علی اظہر کی ملاقات ہوئی اور اس ملاقات میں وہ خود بھی شریک تھے - اس ملاقات میں قائد اعظم نے مولانا مظہر علی اظہر سے فرمایا تھا کہ مجھے پنجاب میں صرف آپ کی ضرورت ہے اور کسی کی نہیں -
اس پر مولانا مظہر علی اظہر نے جواب دیا تھا کہ میں اپنے احرار ساتھیوں کو کسی حالت میں بھی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں - اس پر مایوس ہو کر مسٹر جناح نے مسٹر برکت علی اور دوسرے لوگوں کو اپنا ساتھی بنا لیا "
خان غازی کابلی صاحب احرار اور قائد اعظم کی ملاقاتوں کی نفی کر کے آخر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں ؟ قائد اعظم کے ساتھ ملاقات سے احرار رہنما اگر اتنے ہی " الرجک " تھے تو پھر انہوں نے ایسے رہنما کو خط لکھ کر ان کی تجاویز پر غور کر کے فیصلہ کرنے کی یقین دہانی کیوں کرائی تھی ؟ اور مولانا مظہر علی اظہر فلیٹی ہوٹل میں ان سے کیوں ملے تھے ؟
مجلس احرار ہی کے ایک سابق رہنما جناب آغا شورش کاشمیری مرحوم نے پاکستان کے سابق صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے نام اپنے ایک مکتوب میں فخریہ طور سے لکھا تھا کہ انہوں نے قائد اعظم کی تعریف و توصیف میں کئی سو مضامین اور نظمیں لکھی ہیں -

مجلس احرار کے رہنماؤں نے قائد اعظم کے علاوہ دوسرے مسلم لیگی رہنماؤں سے بھی ملاقاتیں کی ہیں اور یہ ایک اچھی مثال ہے -

قیامِ پاکستان کے بعد احرار رہنماؤں میں سے امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ۔ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ۔ شیخ حسام الدینؒ اور دوسرے حضرات نے مسلم لیگی اربابِ اقتدار خواجہ ناظم الدینؒ۔ قائدِ ملت لیاقت علی خاں شہیدؒ۔ سردار عبدالرب نشترؒ۔ محمد علی چوہدری۔ مسٹر چندریگرؒ۔ نواب افتخار حسین ممدوٹؒ۔ میاں ممتاز دولتانہ۔ میر خلیل الرحمٰنؒ۔ مولانا میاں عبدالباریؒ۔ صوفی عبدالحمیدؒ۔ سردار عبدالحمید دستی اور دوسرے مسلم لیگی رہنماؤں سے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور ملتِ اسلامیہ کے وسیع تر مفاد کی خاطر وقتاً فوقتاً ملاقاتیں کی تھیں اور ان کے بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے جیساکہ ۱۹۵۱ء کے انتخابات کے موقع پر جب کہ پنجاب مسلم لیگ نے مختلف انتخابی حلقوں میں چار قادیانیوں کو مسلم لیگ کی نمائندگی کے ٹکٹ دے دیئے تھے۔ تو اس پر مجلس احرار کے رہنماؤں نے مسلم لیگی قیادت پر اس کے دینی، ملی اور سیاسی نقصانات واضح کرتے ہوئے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر مسلم لیگ ان چار حلقوں سے قادیانیوں کو اپنی نمائندگی سے محروم کر دے اور مسلم لیگ کے ٹکٹ ان سے واپس لے کر کسی بھی مسلمان کو اپنا نمائندہ قرار دے دے تو مجلس احرار پورے ملک میں مسلم لیگ کے تمام نمائندوں کی حمایت کرے گی۔ لیکن اگر مسلم لیگ نے ان قادیانیوں سے ٹکٹ واپس نہ لئے تو مجلس احرار ان حلقوں میں مرزائی امیدواروں کی سخت مخالفت کر کے انہیں شکست دے گی۔ چنانچہ مسلم لیگ اور مجلس احرار کے درمیان ایک دینی اور ملی مسئلے پر چپقلش کی صورت پیدا ہو گئی۔ جبکہ انتخابی معرکہ آرائی شروع ہو گئی تھی۔ اور پاکستان مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل اور وزیراعظم پاکستان خان لیاقت علی شہید پنجاب میں اپنی جماعت کے نمائندہ مولوی عصمت اللہ مرزائی (جسے مسلم لیگ نے چک جھمرہ ضلع فیصل آباد کے حلقہ سے نمائندگی کا ٹکٹ دیا تھا) کی حمایت میں انتخابی تقریر کرنے فیصل آباد کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے تھے۔ چک جھمرہ کے حلقے میں مسلم لیگ کے مرزائی امیدوار کے انتخابی پروپیگنڈے کے لئے لیاقت علی خاں شہید کا پروگرام طے ہو چکا تھا اور خوب شان و شوکت کے ساتھ تیاریاں مکمل کی تھیں۔ قائدِ ملت لیاقت علی خاں ریلوے اسٹیشن فیصل آباد میں اپنے سیلون میں مقیم تھے۔ دوسرے روز انہیں اپنے حلقہ چک جھمرہ جانا تھا کہ احرار رہنما مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے آپ سے ملاقات کی اور مسلم لیگ کے قادیانی نمائندوں کے دینی۔ ملی اور سیاسی نقصانات سے انہیں آگاہ کیا۔ اور حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا واسطہ دے کر جب قاضی صاحب نے پورے ملک میں مسلم لیگ کے لئے اپنی خدمات پیش کیں تو قائدِ ملت خان لیاقت علی شہید نے فرمایا کہ اس مرحلے میں مسلم لیگ ان نمائندوں سے ٹکٹ تو واپس نہیں لے سکتی۔ البتہ اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے وسیع تر مفاد کی خاطر قادیانیوں کے حق میں انتخابی پروپیگنڈے کا پروگرام منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قائدِ ملت فیصل آباد ریلوے اسٹیشن ہی سے کراچی واپس تشریف لے گئے۔ نتیجۃً مسلم لیگ کے تمام مرزائی امیدوار شکست کھا گئے۔

بہرنوع یہ بتانا مقصود ہے کہ احرار اور مسلم لیگی رہنماؤں کی باہمی ملاقاتوں کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا ہے۔ ان

ملاقاتوں کے نہایت اچھے اثرات مرتب ہوتے رہے ہیں اور "قلندر قسم" کے ان لوگوں نے باہم دگر ملاقاتوں سے کبھی گریز نہیں کیا تھا۔

جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے جو ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت اور حضرت امیر شریعت سے متعلق ہے چونکہ اس تحریک کے دوران مجھے لاہور سنٹرل جیل میں قریباً ایک سال حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دوسرے اکابر احرار کی رفاقت اور خدمت کا شرف حاصل رہا ہے اور موضوع بحث واقعے کا بھی میں عینی شاہد ہوں اس لئے حقائق پیش کر کے غلط فہمی دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں رونما ہونے والے واقعات کی تحقیقات کے لئے حکومت کے قائم کردہ کمیشن کے چیئرمین مسٹر جسٹس منیر احمد نے حضرت امیر شریعت سے قائداعظم کی ذات کے بارے میں کسی نوعیت کا قطعاً کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

دوسرے علماء کرام کی طرح شاہ صاحب بھی کئی روز تک کمیشن کے روبرو پیش ہوتے رہے اور جیل میں واپسی پر اپنے رفقاء قید حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صدر مجلس عمل وخطیب جامع مسجد وزیر خان لاہور مولانا محمد علی جالندھری، مولانا عبدالحامد بدایونی کراچی۔ مولانا محمد حیات فاتح قادیان۔ مظفر علی شمسی۔ شیخ حسام الدین۔ ماسٹر تاج الدین انصاری۔ صاحب زادہ سید فیض الحسن سجادہ نشین آلو مہار شریف اور دوسرے حضرات کے سامنے روزانہ کے مسائل اور واردات و تاثرات بیان فرمایا کرتے تھے۔

اسی دوران آپ نے بتایا کہ مسٹر جسٹس (ریٹائرڈ) منیر احمد صاحب نے دیگر امور کے ساتھ ساتھ آج مجھ سے یہ بھی دریافت کیا۔

شاہ صاحب۔ آپ نے مرزا غلام احمد کو کافر کہا ہے؟

میں نے بتایا کہ مسٹر جسٹس! آج جو سوال آپ نے کیا ہے انگریزی دور اقتدار میں اسی کرسی پر جہاں آپ بیٹھے ہیں انگریز جج مسٹر ینگ براجمان تھے۔ غالباً ہائی کورٹ کا یہی کمرہ تھا۔ تو مسٹر ینگ نے مجھ سے یہی دریافت کیا تھا میں نے اس وقت بھی یہی جواب دیا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کہ مرزا غلام احمد متنبی قادیان کو میں کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں اسے کافر کہتا ہوں اور جب تک زندہ رہوں گا اسے اور اس کی ذریت کو کافر کہتا اور سمجھتا رہوں گا۔ یہ تو میرے دین و ایمان کا معاملہ ہے کیونکہ حضور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص بھی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اس عقیدے پر پوری ملت اسلامیہ کا اجماع ہے۔ ہماری چودہ برس کی تاریخ میں کسی بھی اسلامی مملکت نے جھوٹے مدعیان نبوت کا وجود برداشت نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس کی ذریت کو نبوت کاذبہ کی تبلیغ و اشاعت کی کبھی اجازت

دی گئی ہے۔

سینکڑوں سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا کورٹ کا یہ کمرہ میرے ان جملوں پر دادِ تحسین کی ایک مشترکہ آواز سے گونج اٹھا۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ مجمع کے تاثرات دیکھ کر جناب منیر صاحب سے نہ رہا گیا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت تحکمانہ لہجے میں مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

شاہ صاحب! ذرا احتیاط کے ساتھ بات کریں یہ کوئی موچی گیٹ نہیں ہے۔

میں نے برجستہ جواب دیا۔ جنابِ والا! میں تو اپنا عقیدہ بیان کر رہا ہوں اور اپنے دین و ایمان کا اظہار میرا دینی فریضہ ہے خواہ موچی گیٹ میں ہو یا عدالت کے کمرہ میں۔

اور مجمع سے پھر اسی انداز سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت امیر شریعت نے منیر انکوائری کمیشن کے روبرو پیشی سے واپسی پر اپنے تاثرات و واردات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ متواتر کئی روز سے کمیشن کے روبرو ہونے والے علمار کرام اور دینی رہنما منیر صاحب کے رویّے اور طرزِ عمل کی بابت شکایت کناں تھے کہ وہ غیر متعلقہ سوالات کر کے علمار کرام کو الجھانے اور رسوا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس وقت کی جماعتِ اسلامی کے رہنما مولانا امین احسن اصلاحی، معروف صحافی مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش۔ مولانا عبدالحامد بدایونی اور دیگر حضرات کے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے وہ کوئی اچھی بات نہیں۔ آج مجھ سے بھی نوک جھونک ہوئی مگر میں نے تو یہ سلسلہ وہیں منقطع کر دیا۔

کمیشن کے فاضل اراکین کو علمائے کرام کے ساتھ اہانت آمیز یا تحقیر و تذلیل کا سلوک نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ پوری غیر جانب داری اور صبر و تحمل کے ساتھ ہر شخص کا عقیدہ سننا چاہئے۔ ختم نبوت کی بابت اظہار عقائد کو موچی گیٹ کی گفتگو قرار دینا کسی جج اور منصف کے شایانِ شان ہرگز نہیں ہو سکتا۔

مولانا مظہر علی اظہر کی تلخ بیانی کا پس منظر

اسی اثنا میں احرار کے ایک سابق رہنما مولانا مظہر علی اظہر (جو احرار کو قیام پاکستان سے بہت پہلے چھوڑ چکے تھے) بھی دیگر وکلاء کے دوش بدوش مجلس عمل کے ایک وکیل کی حیثیت سے منیر کمیشن کے سامنے پیش ہوئے۔ ان کے ساتھ بھی وہی اہانت آمیز سلوک ہوا جو دوسرے علما کے ساتھ کیا گیا تھا۔

منیر صاحب نے مولانا مظہر علی اظہر سے دریافت کیا۔ مولانا آپ نے کس زمانے میں قائدِ اعظم کو کافر کہا تھا؟

مظہر علی۔ جنابِ والا۔ قائدِ اعظم دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں میرا ان سے اختلاف زندگی میں تھا۔ اب وہ

اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں اس وقت ان کی ذات کے بارے میں آپ کو کوئی سوال نہیں کرنا چاہئے۔ چونکہ آپ کا دائرۂ کار صرف تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران فسادات پنجاب کے اسباب وعوامل معلوم کرنا ہیں اس لئے آپ صرف موضوع سے متعلق ہی سوالات دریافت فرمائیں تو بہتر ہے۔

مظہر علی۔ جناب والا۔ اس سوال کا تحریک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی دینی یا ملی وملکی فائدے کی بات نظر آتی ہے۔

اس پر جناب منیر صاحب کے لہجے میں درشتی اور تلخی پیدا ہو گئی اور انہوں نے اپنے سوال کے جواب پر زور دے کر اصرار کیا۔

مولانا مظہر علی نے بتایا جب مجھے مجبور کر دیا گیا تو میں نے اس غیر متعلقہ سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا

جناب والا! آپ کے شدید اصرار پر میرا جواب یہ ہے کہ جناب قائد اعظم محمد علی جناح نے جن دنوں سول میرج کے تحت رتن بائی نامی ایک پارسی عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا تو میں نے ان دنوں لاہور کے ایک جلسۂ عام میں تقریر کے دوران مسٹر جناح سے اس صورت کی وضاحت چاہی تھی۔ میں نے ان سے دریافت کیا تھا کہ سول میرج کے تحت فریقین کو عدالت میں چونکہ یہ بیان دینا پڑتا ہے کہ وہ کسی دین و مذہب کے پابند نہیں ہیں اس لئے سول میرج کے قانون کے تحت دونوں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو رہے ہیں۔ چنانچہ تقریر کے دوران ہی اعرار کے مشہور شاعر اور خطیب نے مجھے کاغذ پر یہ شعر لکھ کر دیا ؎

اک کافرہ عورت کے لئے دین کو چھوڑا
یہ قائدِ اعظم ہے، کہ ہے کافرِ اعظم

یہ شعر میں نے مجمع عام میں پڑھ دیا۔ یہ ایک استفہامیہ شعر ہے کسی عالم دین کا فتویٰ نہیں۔ چونکہ مسٹر جناح نے میری وضاحت طلبی کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور نہ ہی انہوں نے سول میرج کی شادی کے اقدام کی کوئی توجیہہ پیش کی تھی اس لئے میں اب بھی اپنے شعری موقف پر قائم ہوں۔

اس پر جناب ریٹائرڈ جسٹس منیر احمد صاحب نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

مسٹر مظہر علی۔ آپ کو پتہ ہے کہ ایسی بات کہنے والے قتل ہو جایا کرتے ہیں۔

مظہر علی اظہر۔ جناب والا! کیا آپ کے ان جملوں سے میں یہ سمجھوں کہ آپ لوگوں کو میرے قتل کے لئے اکسا رہے ہیں؟ لیکن میرا ایمان ہے مارنے والوں سے بچانے والی ذات کے ہاتھ زیادہ مضبوط اور طاقت ور ہیں۔

امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا کہ مولانا مظہر علی اظہر نے تحقیقاتی کمیشن کے روبرو پیش ہونے کے بعد مجھے بتایا۔ شاہ جی آپ بھی کئی دنوں سے جو کچھ محسوس کر رہے تھے۔ آج میرے ساتھ بھی وہی پیش آیا۔ تحقیقاتی کمیشن

کا دائرہ کار اب علماء کرام اور دینی رہنماؤں کو لوگوں کے سامنے رسوا کرنا اور انہیں مختلف مسائل میں الجھانے تک محدود رہ گیا ہے۔

قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کی ذات کے بارے میں ایسے غیر متعلق سوال کرنے کا منشا یہ تھا کہ میں نے قیام پاکستان سے بہت پہلے اپنے سیاسی اختلافات کے سلسلے میں قائداعظم کی بابت جو جملے کہے تھے اب وہ انہیں دہرانے کی جرأت نہ کر سکے گا کہ اب یہاں ان کی حکومت قائم ہوگئی ہے۔

اس پر لوگوں کو یہ تاثر دیا جا سکے گا کہ ان مولوی صاحبان کا کیا ہے جب تک کسی شخص کی حکومت قائم نہیں ہوتی اس وقت تو اس کے خلاف کفر کے فتوے صادر کیا کرتے ہیں۔ مگر جب اس شخص کی حکومت قائم ہو جاتی ہے تو پھر اپنے فتوے کو یکسر نظر انداز کر کے اسی کو اپنا مقتداء و پیشوا ماننے کے لئے رطب اللسان ہوتے ہیں۔ چنانچہ مرزائیوں اور قادیانیوں کی بابت ان کے کفر کے فتووں کی حیثیت بھی یہی ہے کہ جب تک مرزائیوں قادیانیوں کی حکومت قائم نہیں ہو جاتی یہ علماء کرام انہیں کافر کافر پکاریں گے۔ مگر جب ان کی حکومت قائم ہو جائے گی تو قائداعظم کی طرح ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو جائیں گے۔ درحقیقت ان کے فتووں کی حیثیت کچھ نہیں یہ لوگ تو اقتدار کے پجاری ہیں اور حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ اپنا موقف تبدیل کرنے والے موقع پرست!

مولانا مظہر علی اظہر نے کہا کہ اس تاثر کو زائل کرنے اور منیر صاحب کے منشاء کو سمجھتے ہوئے میں نے ٹھیک جواب دیا تھا۔ کہ کفر کا فتویٰ یا کسی کی بابت دینی عقیدے کا اظہار وقتی مصلحتوں، ضرورتوں اور تقاضوں کا مرہون منت نہیں ہوتا۔ بلکہ فکر و نظر کا معاملہ تو ہمہ وقت اور دائمی صورتوں سے تعلق رکھتا ہے۔ عقیدہ اور ایمان کسی کے اقتدار و عدم اقتدار سے متعلق نہیں ہوتا۔ علماء کرام اور دینی رہنما اسلامی عقاید و نظریات کے تحفظ کے سلسلے میں اگر کسی رائے کا اظہار کرتے ہیں تو اس کی حیثیت کسی کے ساتھ سیاسی اختلاف رائے کی نہیں ہوتی سیاسی اختلاف رائے کو کفر و ایمان کا معاملہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

عقیدہ ختم نبوت ملت اسلامیہ کے ایمانیات کا جزو ہے اسے عام سیاسی اختلاف رائے کا درجہ دینا انتہائی افسوسناک اور اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف ایک خطرناک اقدام ہے۔

بہر نوع شاہ صاحب نے بتایا کہ مولانا مظہر علی اظہر نے اپنے اس شعر اور اپنے موقف کی اس طرح وضاحت کی تھی۔ جناب ریٹائرڈ جسٹس منیر احمد صاحب کی خدمت میں جب بار بار عرض کیا گیا تھا کہ وہ تحریک تحفظ ختم نبوت سے متعلق ہی سوالات کا دائرہ محدود رکھیں اور دور از کار بحثیں چھیڑ کر خواہ مخواہ تلخی پیدا کرنے اور فضا کو مزید مکدر کرنے کی کوشش نہ کریں اور دینی رہنماؤں کی تحقیر و تذلیل کا وطیرہ انہیں ترک کر دینا چاہئے۔ مگر انہوں نے کسی کی نہ مانی اور غیر موزوں سوالات کر کے اور دور از کار مسائل چھیڑ کر تاریخ میں کسی اچھے باب کا اضافہ

نہیں کیا ہے۔

بہرحال۔ احرار اور قائداعظم کی ذات کے بارے میں خان کابلی صاحب نے دہلی میں بیٹھ کر جو معلومات فراہم کی ہیں وہ حقائق پر مبنی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ایسے مضامین کی افادیت کا کوئی پہلو نظر آتا ہے۔

پھر انہیں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ احرار اور مسلم لیگی رہنماؤں کے مابین اگر کسی وقت کچھ تلخ نوائی کا مظاہرہ ہوا ہے تو وہ انتخابی مرحلے کی بات ہے۔ الیکشنی سرگرمیوں اور انتخابی گہما گہمی کے دور میں مختلف جماعتوں کے رہنما اور کارکن ایک دوسرے کے خلاف جو باتیں کہتے اور جو زبان استعمال کیا کرتے ہیں وہ ان جماعتوں کی مستقل پالیسی کا حصہ ہرگز نہیں ہوا کرتی۔ اور نہ ہی وہ اس کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف منتقمانہ کارروائی پر کمربستہ ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ انتخابات کے بعد ساری باتیں فراموش کر دی جاتی ہیں۔ پھر کوئی حزب اقتدار میں ہوتا ہے تو کوئی حزب اختلاف میں۔ اور اختلاف و تصادم کے بجائے تعاون و اشتراک کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔

قائداعظم، ان کی جماعت مسلم لیگ اور مجلس احرار کے بارے میں بھی ہمیں یہی زاویۂ فکر و نگاہ رکھنا چاہیئے یہ درست ہے کہ خان غازی کابلی صاحب پرانے مشہور احراری کارکن۔ اور قادیانی خاندان میں سے صرف انہیں مسلمان ہونے کا شرف نصیب ہوا ہے۔ اور قیام پاکستان کے بعد وہ اپنے وطن صوبہ سرحد میں رہنے کے بجائے بھارت دہلی چلے گئے۔ اور ان دنوں کسی ہندو اخبار کے رکن ادارہ ہیں۔ انہیں بھارت میں بیٹھ کر پاکستان کی دینی و ملی جماعتوں اور ان کے رہنماؤں کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے اور ان کے لئے تصادم کے اسباب و مواقع فراہم کرنے کے بجائے ایسی راہ اختیار کرنی چاہیئے جس پر چل کر نہ صرف یہ کہ مختلف جماعتیں اور ملی تنظیمیں قریب ہوں بلکہ انہیں پاک بھارت تعلقات میں استحکام اور مفاہمت کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ نیز الحق ایسے وقیع دینی جریدے کو بھی مختلف تحریکات اور شخصیات سے متعلق صرف ایسے مضامین شریک اشاعت کرنے چاہئیں جن کی اشاعت اپنے اندر افادیت سمیٹے ہوئے ہو۔ اور قارئین کے دل و دماغ پر مفید اثرات مرتب کرنے کے موجب ہوں۔ وما علینا الا البلاغ

قارئین
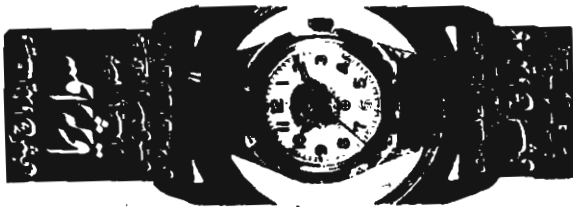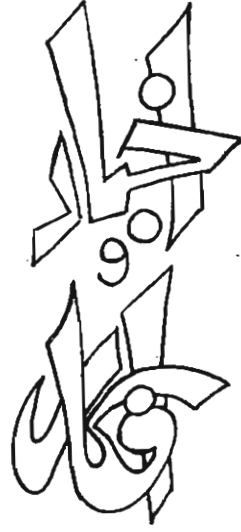
حضرت ہالیجوی رحمۃ اللہ کے متوسلین کو ہدایت | ہالیجی شریف

جمعیۃ العلماء اسلام کے ممتاز رہنما اور درگاہ عالیہ قادریہ راشدیہ کے سجادہ نشین حضرت اقدس مولانا حافظ محمود اسعد مدظلہ العالی جانشین حضرت ہالیجوی نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ والغفران کے متوسلین اور معتقدین کو حکم فرمایا ہے کہ تمام مسلمان عموماً اور حضرت رحمۃ اللہ کے متوسلین اور معتقدین خصوصاً جلد از بد جمعیۃ العلماء اسلام کا رکنیت فارم پر کر کے جمعیت میں شمولیت اختیار کریں، اسکو اپنے لئے سعادت سمجھیں، آپ نے فرمایا کہ تعاونوا علی البر والتقوی۔ الآیۃ۔ کہ قرآنی اصول پر عمل پیرا ہو کر وارثان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جائیں آپ نے فرمایا کہ جمعیت العلماء اسلام ہی واحد جماعت ہے جو ملک میں صحیح معنوں میں اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے جدوجہد کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: یاایھا الذین اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ الآیۃ۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اور سچے لوگ یہی علماء کرام ہیں۔ جمعیت العلماء اسلام کی تحریک عین اسلامی جہاد ہے۔ ارشاد النبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے: الجہاد ماضٍ الی یوم القیامۃ۔ الحدیث۔ یعنی جہاد قیامت تک جاری رہے گا، آپ نے اپنی جماعت کے کارکنوں کو حکم فرمایا ہے کہ جمعیۃ کے کام کو رات دن جاری رکھیں اور اس کام میں سستی اور کنارہ کشی نہ کریں اور قائد جمعیت حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کے مشن کو منظم اور فعال طریقے سے آگے بڑھانا آپ کا فرض ہے۔ (محمود اسعد از درگاہ ہالیجی شریف ۱۳/۴/۹۹)

مولانا قاضی امان اللہ کی وفات | حضرت مولانا قاضی امان اللہ صاحب مرحوم کا انتقال ۲۶ محرم ۱۳۹۹ھ بشب بدھ ساڑھے گیارہ بجے بعمر ۸۵ سال ہوا۔ اور بروز جمعرات بعد از نماز ظہر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ مرحوم جامع المعقول والمنقول عالم تھے ایک عرصہ تک ڈاگئی کے مدرسہ مظہر العلوم میں درس دیتے رہے تقریباً ۵۵ سال تک تدریس دیتے رہے۔ مرحوم کے پسماندگان میں چار صاحبزادے ہیں جو علمی مشاغل میں مصروف ہیں۔ مرحوم کی وفات سے اس علاقے میں ایک زبردست علمی خلا پیدا ہوا حق تعالیٰ مرحوم کو درجات عالیہ عطا فرما دے۔

(مولانا حمد اللہ مظہر العلوم ڈاگئی تحصیل صوابی)

تنظیم فضلاء دارالعلوم حقانیہ کراچی کی مبارکباد | اخبار میں حضرت قبلہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کو ان کی عظیم دینی علمی خدمات کے صلے میں پشاور یونیورسٹی کیطرف سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا علم ہوا ہم سب متعلقین کو بے حد خوشی ہوئی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عالم اسلام میں ایک فکری تبدیلی آرہی ہے۔ یونیورسٹیوں جیسے نئی تہذیب و تمدن سے آشنا اداروں کیطرف سے علمائے دین کی قدر افزائی یقیناً ایک نیک شگون ہے۔ پشاور یونیورسٹی اور اس کے منتظمین واقعی اس اقدام پر قابل مبارک ہیں۔ کہ انہوں نے حضرت مدظلہ کی خدمات کا اعتراف کرکے یقیناً اپنی ڈگری اور ادارے کی عظمت میں اضافہ کیا ہے۔ میں اپنی طرف سے اور تمام اراکین، فضلائے تنظیم دارالعلوم حقانیہ کراچی کیطرف سے حضرت قبلہ استادی شیخ الحدیث مولانا مدظلہ و تمام اساتذہ و اراکین دارالعلوم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ گر قبول افتد۔

۱۔ حسین احمد حقانی غفرلہ۔ صدر تنظیم الفضلاء دارالعلوم حقانیہ کراچی

۲۔ عزیز الرحمان حقانی جنرل سیکرٹری

بقیہ: چند گذارشات

بی۔ اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرنیوالوں کے ہم آہنگ کرسکتی ہے۔ اور مدارس دینیہ کی اسناد کو سرکاری کالجوں کی سندات کے برابر قرار دے سکتی ہے۔

۱۱۔ حکومت اسلامیہ کا منصبی فرض اور اسکی ذمہ داری ہے کہ ملک میں اچھے کاموں کی ترویج اور بُرے کاموں کی روک تھام کیساتھ علوم شرعیہ قرآن وسنت کی تعلیم کا انتظام کرے ایسے اداروں کی سرپرستی حکومت کے فرض منصبی میں شامل ہے اس لحاظ سے مدارس دینیہ اپنی موجودہ حیثیت میں بھی بغیر کسی ترمیم اور اضافہ کے حکومت کی امداد اور تعاون کے مستحق ہی نہیں بلکہ یہ حکومت کے اہم فرائض میں داخل ہے۔ اس لئے بحالت موجودہ اگر حکومت کی نظر عنایت مدارس دینیہ کی طرف ہوگی تو وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو کر عنداللہ ماجور ہوگی۔

۱۲۔ آخری گذارش یہ ہے کہ اگر مدارس دینیہ کے موجودہ طرز تعلیم اور نصاب تعلیم کے باقی رہتے ہوئے حکومت کی امداد اور تعاون کو ضروری نہیں سمجھا تا تو وہ ایسا نصاب مرتب کراسکتی ہے کہ اس کے قبول کرنے پر اپنی امداد کو موقوف کردے لیکن تمام مدارس دینیہ کے لئے اس ترمیم شدہ نصاب کو لازم قرار نہ دیا جائے۔

شفیق فاروقی

دار العلوم حقانیہ کے شب و روز
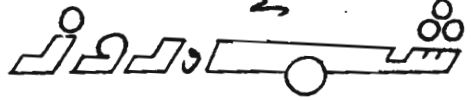
حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی صحت حضرت شیخ الحدیث مدظلہ جو ۱۳ر جنوری ۱۹۷۹ء سے آنکھوں کے علاج کے سلسلہ میں جناح ہسپتال کراچی میں زیر علاج ہیں اب تک ان کی آنکھوں کا مکمل افاقہ نہیں ہوا۔ دونوں آنکھوں کا اپریشن ہوچکا ہے مگر شوگر کی وجہ سے اندرونی حصوں میں زخم صاف نہیں ہو رہا۔ ڈاکٹر ٹی۔ ایچ کرمانی صاحب اور دیگر معالجین قلب و جیتم پوری عقیدت و محبت سے علاج فرما رہے ہیں۔ اس دوران وفاقی وزیر صحت جناب محترم صبح صادق کھوسو اپنے ماتحت سٹاف اور ذمہ دار حضرات کے ساتھ حضرت کی عیادت کے لئے ہسپتال گئے اور دیر تک علاج معالجہ کے حالات پر ڈاکٹروں سے تبادلہ خیال کیا قائد قومی اتحاد حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے بھی حضرت کی عیادت کی اور اسلامی مشاورتی کونسل کے ارکان علامہ مولانا شمس الحق افغانی مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل مولانا محمد تقی عثمانی علامہ محمد ادریس میرٹھی او۔ ان کے علاوہ ہر طبقہ فکر کے علماء و زعماء طلباء و اہل علم وفضل کا تانتا ہسپتال میں بندھا رہتا ہے۔ قارئین سے شفائے کاملہ عاجلہ اور بینائی کی بحالی کے لئے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

متفرقات ۱۴ر مارچ مولانا مغفور اللہ صاحب ہزاروی مدرس دار العلوم حقانیہ سفر حج سے واپس دار العلوم تشریف لائے۔ ● پچھلے ماہ مولانا شیر علی شاہ صاحب سابق مدرس دار العلوم حقانیہ حال مقیم مدینہ منورہ کی والدہ مرحومہ کا انتقال ہوگیا رحمہا اللہ وارضاہا۔ ● قومی کمیٹی برائے دینی مدارس جسے صدر پاکستان نے مدارس عربیہ کے نظام ونصاب وغیرہ امور کے بارہ میں رپورٹ دینے کے لئے نامزد کیا ہے۔ مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق کو بھی اس کمیٹی کی رکنیت کیلئے نامزد کیا گیا ہے۔ ● قومی کمیٹی برائے مدارس کے چیئرمین ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا سیکرٹری جناب محمد یوسف گورایا صاحب، جناب حافظ نذر احمد صاحب مرتب جائزہ مدارس اور جناب مولانا محمد ادریس میرٹھی کراچی رکن قومی کمیٹی اپنے پشاور کے اجلاس سے واپسی پر دار العلوم کے معائنہ اور مولانا سمیع الحق صاحب سے تبادلہ خیال کے لئے دار العلوم تشریف لائے مگر مولانا کے سفر کی وجہ سے ان سے ملاقات نہ ہوسکی نہ مولانا بوجوہ اجلاس پشاور میں شریک ہوئے۔ ● دار العلوم دیوبند کی جمعیۃ الثقافۃ القاسمیہ دیوبند اواخر اپریل ۱۹۷۹ء میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب مدظلہ کی نگرانی و سرپرستی میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم و افکار اور شخصیت و کردار پر ایک سیمینار منعقد کر رہی ہے اس کے سیمینار کے لئے جمعیۃ نے مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق کو بھی دعوت دی ہے کہ وہ اس میں شرکت کرکے "حضرت نانوتویؒ بحیثیت استاد حدیث" کے عنوان پر مقالہ پڑھیں اگر عوارض و موانع نہ ہوئے اور ویزا وغیرہ کا مرحلہ بھی طے ہوسکا تو جناب مدیر صاحب اس سیمینار میں شرکت فرمادیں گے۔ انشاء اللہ۔

تبصرہ و تعارفِ کتب

سمیع الحق
اختر راہی

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم | ازحضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۔ جلد اول صفحات ۴۲۴ قیمت ۲۴ روپے جلد دوم صفحات ۲۶۲ قیمت ۲۱ روپے ۔ کتابت و طباعت بہترین مجلد مع حسین گردپوش ۔ ناشر، مجلس نشریات اسلام اسکے ۔۳ ۔ناظم آباد کراچی ۱۸

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عالمِ اسلام کا متاع گرانمایہ ہیں حق تعالیٰ نے انہیں تحریر و تقریر کے ذریعہ ملت مسلمہ کی بے مثال خدمات کی توفیق دی ہے ۔تاریخ ان کا خاص موضوع ہے ۔ اور پھر اس کے ساتھ ساتھ آپ مقام دعوت وارشاد پر بھی فائز تاریخ اور دعوت و عزیمت کے موضوع کے اس یگانۂ روزگار داعی، محقق، مصنف اور ادیب و مبلغ نے جب سیرت طیبہ جیسے ہمہ گیر اور آفاقی موضوع پر قلم اٹھایا تو اس کی افادیت اور خوبیوں کے کیا کہنے ، اصل کتاب عربی میں تھی ۔ مولانا کے چہیتے عزیز اور شاگرد عربی و اردو اسلوب میں مولانا مدظلہٗ کے ظل و بروز مولانا سید محمد الحسنی ایڈیٹر البعث الاسلامی نے اس کا ترجمہ کیا جو اب دو جلدوں کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے ،کتاب میں مولانا نے وسیع قدیم و جدید معلومات سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے ۔زمانۂ بعثت میں معاصر دنیا بالخصوص جزیرۃ العرب مدینہ اور مکہ کی تصویر اور تمدنی وسیاسی وتاریخی پس منظر واقعات و حالات اور تعلیمات و نتائج و اثرات کی محققانہ مگر پُرتاثیر روئداد نبوت کی صداقتوں کو فلسفہ آرائی اور رنگ آمیزی کی بجائے حقیقی اور واقعی شکل میں اجاگر کیا گیا ہے ، نئی نسل کے اذہان اور نفسیات اور عصری و ملی اسلوب کو بھی پورا پورا ملحوظ رکھا گیا ہے ، واقعی ایک ایسی کتاب جس میں سیرت خود اپنی ترجمانی کرتی ہے ۔حق تعالیٰ مولانا موصوف کو ان خدمات جلیلہ کیلئے تادیر سلامت رکھے ۔ پاکستان میں مولانا کی تصانیف کی نشرواشاعت کیلئے مجلس نشریات اسلام اور اس کے نگران مولانا قاری فضل ربی ندوی کے محققانہ مساعی نہایت تحسین کے مستحق ہیں ۔ ورنہ انڈیا سے ایسی تصانیف کی دستیابی جوئے شیر لانے سے کم نہ تھی ۔حق تعالیٰ اس عظیم کام کے ناشر کو اجر عطا فرمادے ۔

(سمیع الحق)

حضرت عثمان شہیدؓ | تالیف: محمد بن یحییٰ بن ابی بکر مالکی اندلسیؒ ۔ ترجمہ: کوکب شادانی ایم ۔اے ناشر: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ کراچی ۔ صفحات : ۲۳۰ قیمت : درج نہیں ۔

محمد بن یحییٰ بن ابی بکر مالکی اندلسیؒ آٹھویں صدی ہجری کے بلندپایہ عالم تھے ۔انہوں نے "التمہید والبیان فی فضل

الشہید عثمانؓ" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے حالات زندگی لکھے ہیں۔ ان کے الفاظ میں "اس کتاب میں کسی جانبداری یا تعصب کے بغیر عدل والنصاف پر مبنی حالات بیان کئے گئے ہیں بلکہ صرف وہی اقوال نقل کئے گئے ہیں جو مستند علماء نے اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں۔" (دیباچہ)

یہ کتاب عہد حاضر تک عام اہل علم کے پاس نہیں تھی اس کا صرف ایک نسخہ دار الکتب المصریہ قاہرہ میں محفوظ تھا جو چند سال پہلے پروفیسر ڈاکٹر محمود یوسف زاہد (امریکن یونیورسٹی بیروت) کی تصحیح و تنقیح سے شائع ہوا۔ مصحح موصوف نے تصحیح و تنقیح میں محنت شاقہ برداشت کی اور متن میں جن کتابوں کے حوالے دیئے گئے تھے انہیں اصل مآخذ سے ملایا گیا ہے۔ یہ کتاب حضرت عثمانؓ کی سیرت و کردار پر ایک اہم تالیف ہے اور ضرورت تھی کہ اسے اردو کا جامہ پہنایا جاتا۔ جناب کوکب شادانی صاحب نے یہ فریضہ انجام دیا ہے۔ ترجمہ رواں اور سادہ ہے۔

کتاب کا گیارہواں باب ان مراثی پر مشتمل ہے جو صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت پر بچشم پرنم لکھے مترجم نے یہاں بھی نثری ترجمے پر اکتفا کیا ہے۔ اگر اصل مرثیے بھی لکھ دیئے جاتے تو زیادہ مناسب تھا۔ ہمارے اردو قارئین اس امر کے عادی ہیں کہ اردو عبارت میں اشعار فارسی اور عربی میں پڑھ لیں جو عربی و فارسی سے نابلد ہیں ان کے لئے ترجمہ ہو جاتا۔ شعر سے جو لطف اٹھایا جاتا ہے وہ نثری ترجمہ سے ممکن نہیں۔ نفیس اکیڈمی نے اپنے روایتی معیار پر کتاب شائع کی ہے۔ البتہ کتابت کی اغلاط دوران مطالعہ میں بار گزرتی ہیں۔ (اختر راہی)

مقلعۃ البدعۃ | حضرت مولانا عبدالقیوم بادشاہ صاحب بام خیل مرحوم۔ ناشر: مولانا عبدالحی حقانی بام خیل ضلع مردان زبان عربی صفحات ۱۴۰ قیمت درج نہیں۔

ان بدعات اور غیر شرعی رسومات میں سے جن کا اہل حق علماء و مشائخ کرام کے جدوجہد اور تعاقب کی وجہ سے بحمد اللہ سرحدی علاقوں میں زور ٹوٹ چکا ہے۔ رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع کے موقع پر قضاء عمری کی شکل میں نماز باجماعت بھی تھی جس کا کتاب و سنت، فقہ اور سلف سے کوئی بھی ثبوت نہیں ملتا تھا رواں صدی کے نصف آخر تک اس مسئلہ پر بحث و مباحثہ اور مناظروں کا بازار گرم تھا۔ ہمارے گاؤں اکوڑہ خٹک میں بھی کچھ لوگ اس بدعۃ شنیعہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اس وقت یہاں اکوڑہ خٹک کے ایک جید اور متبع سنت عالم حضرت مولانا عبدالنور صاحب سرخدی سواتیؒ (تلمیذ مولانا گنگوہیؒ) بھی اس بدعت کے خلاف پیش پیش تھے۔ اس موضوع پر ان کا ایک وقیع رسالہ بھی ہے۔ میرے جد امجد مرحوم بھی اس جہاد میں اس طائفہ حقہ کی پوری پشت پناہی کرتے رہے بام خیل تحصیل صوابی میں وہاں کے دیندار متورع مشائخ بادشاہ صاحبان کا گھرانہ علم و ارشاد کا مرکز چلا آ رہا ہے پیش نظر رسالہ اس وقت کی خانقاہ کے مسند نشین حضرت مولانا عبدالقیوم بادشاہ صاحب المتوفی ۱۳۵۴ھ نے طرفین کے دلائل کو سامنے رکھ کر عربی میں تلمیذ فرمایا اور تقریباً ۴۲ بڑے چھوٹے مآخذ سے استفادہ کیا اب رسالہ کو اسی خاندان کے ذہین اور محنتی نوجوان عالم مولانا عبدالحی حقانی فاضل دارالعلوم حقانیہ نے بطور تبرک و یادگار شائع کیا ہے۔ اور اہل علم کے لئے اب بھی افادہ کی چیز ہے۔ (سمیع الحق)

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سُہراب

کیڈٹ اسکیم

پاکستان نیوی

پاکستان نیوی میں N کیڈٹ اسکیم کے توسط سے مقررہ فارموں پر درخواستیں مطلوب ہیں۔
اس اسکیم کے تحت دسویں جماعت پاس نوجوان اپنا مستقبل نہایت تابناک بنا سکتے ہیں۔
پاکستان نیوی نے موزوں N کیڈٹس کے لئے اپنے جونیئر کیڈٹ کالج منورا کراچی میں ایف ایس سی
ڈپری انجینئرنگ تک مفت تعلیم اور آگے چل کر ریگولر کمیشن دینے کا انتظام کیا ہے۔

شرائط داخلہ

۱۔ قومیت:۔ پاکستانی (مرد)

۲۔ عمر:۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۷۹ء کو ۱۵ اور ۱۸ سال کے درمیان

تعلیمی معیار

میٹرک یا اس کے مساوی (فزکس، کیمسٹری اور ریاضی کے ساتھ) فرسٹ یا سیکنڈ ڈویژن یا گریڈ "D" میں کم از کم ۴۵ فیصد نمبروں کے ساتھ۔ فزکس، کیمسٹری اور ریاضی کے مضامین میں پاس مارکس ہونا ضروری ہیں۔

نوٹ: جو امیدوار میٹرک کا امتحان دے چکے ہوں یا دے رہے ہوں وہ بھی درخواست دے سکتے ہیں۔

۴۔ ازدواجی حیثیت:۔ امیدوار کا غیر شادی شدہ ہونا لازمی ہے۔

نا اہل امیدوار

وہ امیدوار جو کیڈٹ / ملٹری کالجوں کے علاوہ کسی دوسرے کالج کی بارہویں جماعت کے طالب علم ہیں تو درخواست دینے کے اہل نہیں ہیں۔ تفصیلات کے لئے درخواست کے فارم کے ساتھ فراہم کردہ کتابچہ ملاحظہ کریں۔

طریقہ انتخاب

۱۔ نیول سلیکشن بورڈ حسب ذیل شہروں میں امیدواروں کے ابتدائی انٹرویو لے گا۔
کراچی۔ حیدرآباد۔ پشاور۔ سکھر۔ کوئٹہ۔ ملتان۔ فیصل آباد۔
لاہور۔ راولپنڈی۔ پشاور اور کوہاٹ۔

۲۔ قریب ترین فوجی ہسپتال میں طبی معائنہ ہوگا۔

۳۔ آئی ایس ایس بی کوہاٹ میں مزید ٹیسٹ اور انٹرویو ہوں گے۔

۴۔ حتمی انتخاب نیول ہیڈکوارٹرز میں آسامیوں کی تعداد اور میرٹ کی بنیاد پر ہوگا۔

بھرتی / تعلیم

حتمی طور پر منتخب شدہ امیدواروں کو بحیثیت N کیڈٹ بھرتی کیا جائے گا۔
اور انہیں نیوی کے جونیئر کیڈٹ کالج منورا کراچی میں ایف ایس سی (پری انجینئرنگ)
کی گیارہویں جماعت میں داخل کیا جائیگا۔ وہ امیدوار جو پہلے ہی کسی
کیڈٹ / ملٹری کالج کی گیارہویں / بارہویں جماعت میں ہوں گے انہیں
بدستور اسی کالج میں ایف ایس سی کی تکمیل تک رہنے کی اجازت ہوگی۔

تنخواہ اور الاؤنس

N کیڈٹس کو ماہانہ ۳۰۰ روپے مقررہ تنخواہ ملے گی۔ اس کے علاوہ جو اخراجات
طعام۔ رہائش۔ تعلیم اور کتابوں وغیرہ پر ہوں گے حکومت برداشت کریگی۔

نیول ٹریننگ / کمیشن

N کیڈٹس پر لازم ہوگا کہ وہ ایف ایس سی کا امتحان فرسٹ یا سیکنڈ
ڈویژن میں پاس کرنے پر نیول ٹریننگ کے لئے پاکستان نیول اکادمی میں داخل
ہوں جس کے بعد انہیں نیوی میں کمیشن دیا جائیگا۔
جو N کیڈٹس فرسٹ یا سیکنڈ ڈویژن میں ایف ایس سی نہیں کر پائیں گے
انہیں اجازت ہوگی کہ۔

(ا) وہ اپنی مرضی سے بحیثیت سیلر نیوی میں خدمت انجام دیتے رہیں

یا

(ب) وہ عام ضابطوں / قوانین کے تحت نیوی سے برخاست ہو جائیں۔

مزید معلومات اور درخواست کے فارموں وغیرہ کے لئے
مندرجہ ذیل دفاتر سے رجوع کریں۔

(۱) نیول ہیڈکوارٹرز (ڈائریکٹوریٹ آف ریکروٹمنٹ) اسلام آباد۔
(۲) نیول ریکروٹنگ آفس۔ پی۔ این فلیٹ کلب اقبال شہید روڈ کراچی۔
(۳) نیول ریکروٹنگ آفس ڈی / ۵۰ روڈ نمبر ۶ سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی
(۴) نزدیک ترین ڈسٹرکٹ آرمڈ سروسز بورڈ۔

آخری تاریخ

نیول ہیڈکوارٹرز (ڈائریکٹوریٹ آف ریکروٹمنٹ) اسلام آباد میں درخواستیں وصول کرنے کی
آخری تاریخ ۵ اپریل ۱۹۷۹ء ہے

این ایس سی اور پی ایس سی ان دونوں قومی جہازراں اداروں نے
پاکستانی جہازرانی کو ایک نئے دور سے ہمکنار کرنے کے لئے
اپنے بحری بیڑوں کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا ہے

۴۸ مسافر و مال بردار جہازوں کا یہ مشترک بیڑہ
اب ساری دنیا کی بندرگاہوں تک بہتر اور تیز تر
شپنگ سروس بہم پہنچا رہا ہے۔

این ایس سی اور پی ایس سی اب نئے جوش عمل کیساتھ
ملکی ترقی و قومی خوشحالی کے لئے رواں دواں ہیں۔

AL-HAQ REGD-NO.P-90
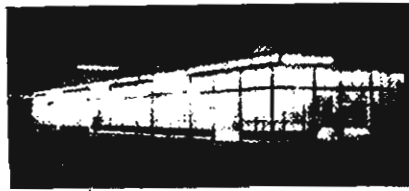
بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا
يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا
فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا
قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ
الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو! اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو
پہنچ جائیں تو ان کو اُف بھی نہ کہو اور نہ اُن پر خفا ہو اور اُن کے ساتھ ادب
سے بات چیت کرو اور ان کے لئے اطاعت کا بازو محبت سے جھکاؤ اور
کہو کہ اے میرے پروردگار تو اُن پر رحمت فرما جس طرح انہوں
نے مجھے بچپن میں پالا۔ پ ۱۵ س ع ۳